سچلّ سرمستؒ

سندھی، پنجابی، فارسی اور اُردو کلام

اُردو ترجمہ

شفقت تنویر مرزا

زیر اہتمام

مشترکہ اشاعتی پروگرام

Gul Hayat Institute

لوک ورثہ
LOK VIRSA
Garden Avenue, Shakarparian,
Islamabad, Pakistan.
Ph:051-9252097

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

©Lok Virsa, Islamabad, 3rd Edition June 2010

Urdu Translation
Shafqat Tanveer Mirza

Executive Editor/Publisher
Khalid Javaid

Editor
Mazhar Ul Islam

Title Designed
Athar Rasul

Publication Officer
S. Muhammad Ali

No part of this book may be reproduced by mimeograph or any other means without permission from Lok Virsa, Islamabad.

A Joint Venture of
Lok Virsa, Islamabad
and
Al-Faisal Nashran Lahore.

Al-Faisal Nashran
Ghazni Street, Urdu Bazar,
Lahore, Pakistan.
Ph: 042-7230777

Garden Avenue, Shakarpariar.
Islamabad, Pakistan.
Ph:051-9252097

Gul Hayat Institute

سندھ کی ہیروئن ماروی کے نام

جسے عمر سومرو کے شاہی محل میں نہ

اپنا ریگزار بھولا اور نہ اپنے غریب مارو

Gul Hayat Institute

ترتیب

پبلشر نوٹ ۵
پہلی بات ۷
کچھ متن اور ترجمے کے بارے میں ۵۸
شجرۂ نسب ۶۲
نعت۔ تعارف ۶۳
سندھی:
وحدت ۷۱
حقیقت ۷۹
سستی ۹۱
نوری ۱۲۳
ماروی ۱۳۳
موئل رانو ۱۵۹
بیت روجھے ۱۷۵
بیت سارنگ ۱۸۳
ہیر رانجھو ۱۹۳
جوگ ۲۰۳
پنجابی:
دوہے ۲۱۱
کافی ۲۲۳
سی حرفی ۳۱۳
فارسی (عشق نامہ۔ وصلت نامہ) ۳۶۱
اُردو ۴۰۳

☆......☆......☆

Gul Hayat Institute

پبلشر نوٹ

پاکستان گوناں گوں تہذیبی وثقافتی روایات کے ساتھ ساتھ دنیا کی عظیم اور گرانقدر صوفیانہ روایات کی امین سرزمین بھی ہے۔ جہاں صوفیاء کرام نے تہذیب وثقافت کے فروغ اور اخلاقی و روحانی تربیت کا ایک ایسا تسلسل قائم کیا جو ہزار سال کے طویل عرصے پر پھیلا ہوا ہے۔

صوفیائے کرام نے برصغیر میں اشاعت اسلام کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ اس کے لئے اُن کے پاس اقتدار کی طاقت تو نہ تھی مگر اخلاق اور عوامی روایات کا وہ خزانہ ضرور تھا جس نے انہیں عام لوگوں میں اتنا مقبول اور ہر دلعزیز کر دیا کہ آج صدیوں بعد بھی اُن کی تعلیمات، اُن کی شاعری اور اُن کی اخلاقی و روحانی قدروں کا عکس ہماری زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے۔ سچل سرمست کی اعلیٰ اخلاقی قدروں نے ہی انہیں سچل کہلوایا، روایت ہے کہ آپ بچپن میں بہت کم بولتے تھے اور جو بولتے تھے وہ سچ ہوتا تھا اسی لئے بچپن ہی سے آپ کا نام سچویا سچل پڑ گیا تھا۔

سید علی ہجویری کا کہنا ہے کہ جو شخص خوش گوار آواز اور نغمہ وترنم کو پسند نہیں کرتا وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے یا منافق ہے یا اس میں حس لطیف بالکل مفقود ہے۔ ایسا آدمی اپنی بے حسی اور کور ذوقی کے باعث جانوروں اور چوپایوں سے بھی بدتر ہے۔

سچل سرمست کے شعر کہنے کا یہ عالم تھا کہ جس وقت سارنگی یا طبلے پر ہاتھ لگتا تھا تو آپ پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ سر کے بال کھڑے ہو جاتے، اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے۔ عین وجد و مستی کی حالت میں متواتر شعر کہتے جاتے تھے اور ان اشعار کو ان کے مرید اور فقیر لکھ لیتے تھے۔ آپ جب ہوش میں آتے تو آپ کو کلام پڑھ کر سنایا جاتا لیکن آپ کہتے تھے کہ ”یہ کسی کہنے والے نے کہا ہوگا مجھے کچھ یاد نہیں“۔

مرزا علی قلی بیگ نے ایک جگہ سچل سرمست کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک موقع پر آپ نے اپنے سب مسودوں کو نذر آتش کر دیا کیونکہ آپ کو اپنے کلام سے متعلق شک پیدا ہو گیا تھا کہ

Gul Hayat Institute

کہیں لوگ اس کا غلط مطلب لے کر گمراہ نہ ہو جائیں۔ اس واقعہ کو جب کافی عرصہ گذر گیا تو آپ کے حلقہ بگوشوں اور عقید تمندوں کے اصرار پر آپ نے اُپنے کلام کو دوبارہ قلمبند کرنے کی اجازت دے دی۔ عقید تمندوں کو جو کلام یاد تھا وہ اُسے کتابی صورت میں لے آئے۔ مرزا علی قلی بیگ کے مطابق آپ کی کل کافیوں کی تعداد نولاکھ چھتیس ہزار چھ سو تھی۔

لوک ورثہ نے صوفیائے کرام کی اس گرانقدر ثقافتی میراث کو بچانے، اسے آگے بڑھانے اور آنے والی نسلوں کو اس سے روشناس کرانے کے لئے ثقافتی معلومات کو باقاعدہ ڈاکومنٹ کرنے اور اسے کتاب کی صورت میں محفوظ کرنے کے لئے اشاعتی پروگرام کا آغاز کیا اور پہلی بار لوک ادب، لوک گیت، لوک داستانیں، ثقافتی معلومات، ثقافتی فنون، صوفیاء کے کلام اور حالات زندگی پر مشتمل کتابوں کی اشاعت کا کام شروع کیا اور ثقافتی موضوعات پر سینکڑوں کتابیں شائع کیں۔ خاص طور پر صوفیاء کے حوالے سے ان کے حالات اور شاعری پر مشتمل کتابوں کی ایک سیریز کا سلسلہ شروع کیا جس کے تحت اب تک ۳۵ سے زائد کتابیں شائع کی جا چکی ہیں۔

کتاب کی اہمیت اور اس سے متعلقہ جدید تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے لوک ورثہ کے اشاعتی پروگرام کو مزید موثر، وقت کے تقاضوں کے مطابق اور دلچسپ بنانے کے لئے نئی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے ان کتابوں کو نہ صرف ان کے مواد، تصاویر اور طباعت کے لحاظ سے جاذب نظر بنانے کا فیصلہ کیا ہے بلکہ ان کی منظم مارکیٹنگ کے لئے نجی ادارے کی شراکت سے ایسا نظام ترتیب دیا کہ کتاب شائع ہوتے ہی نہ صرف ملک بھر میں دستیاب ہو بلکہ اس کی موثر تشہیر پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے کی جائے۔ اس سلسلے میں لوک ورثہ میسرز الفیصل ناشران لاہور کے محمد فیصل صاحب کا مشکور ہے کہ انہوں نے ادارے کے مشترکہ اشاعتی پروگرام میں شامل ہو کر اس کام میں ہماری معاونت کا فیصلہ کیا۔

قبل ازیں ''سچل سرمست'' کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب اس کا تیسرا ایڈیشن ہے۔ صوفیائے کرام اور ان کے حالات زندگی پر مشتمل کتابوں کی اشاعت ہماری ترجیحات میں شامل ہے اور اس سلسلے میں لوک ورثہ اب تک خاطر خواہ کام کر چکا ہے۔

خالد جاوید
ایگزیکٹو ڈائریکٹر

Gul Hayat Institute

سچل سرمستؒ کے بارے میں یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاتی ہے کہ ان کے آباؤاجداد
پہلی صدی ہجری میں محمد بن قاسمؒ کے ساتھ سندھ میں آئے تھے۔ ان کا شجرۂ نسب حضرت
عمر فاروق رضؓ سے ملتا ہے۔ ان کے آباؤ اجداد سیوستان یا سیہون کے حکمرانوں میں تھے اور
محمود غزنوی کے عہد تک سیہون پر حاکم رہے مگر خود سچلؒ کے لئے یہ باتیں کوئی زیادہ اہمیت
نہیں رکھتیں، ان کے لئے اپنے خانوادے میں سے سب سے اہم ان کے دادا خواجہ
محمد حافظ عرف میاں صاحب ڈِنہ اور اس کے بعد ان کے مرشد چچا اور سسر خواجہ
عبدالحقؒ جو حضرت صاحب ڈنہ کے سجادہ نشین ہوئے، خواجہ محمد حافظؒ کا ذکر حضرت
سچل سرمستؒ نے فارسی، پنجابی اور سندھی تینوں زبانوں میں بڑے اہتمام سے کیا ہے
پنجابی میں اپنا تعارف لکھا اور بات حضرت صاحب ڈنہ سے شروع کی۔ فارسی میں مثنوی
"تارنامہ" میں خواجہ محمد حافظؒ کی زندگی میں انقلاب لانے والا واقعہ بھی تفصیل سے درج کیا
خواجہ محمد حافظؒ فاروقی خاندان کے کامل ولی اور بلند پایہ شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ وہ

Gul Hayat Institute

سنہ ۱۱۰۱ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۱۹۲ھ میں وفات پائی (سندھی کے مشہور بزرگ اور شاعر شاہ لطیف بھٹائی، خواجہ محمد حافظؒ کے ہم عصر تھے۔ شاہ صاحب کی پیدائش سنہ ۱۱۰۲ھ/ سنہ ۱۶۸۹ء اور وفات سنہ ۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۲ء ہے) اس زمانے میں سندھ پر کلہوڑوں کی حکومت تھی۔ یہ حکومت محمد حافظؒ کی نوعمری میں قائم ہوئی اور ان کے انتقال کے چند سال بعد تک قائم رہی۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد سندھ پر سے مغلوں کی حکمرانی کا طویل دور ختم ہوا۔ اس دور کا خاتمہ محمد حافظ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کلہوڑوں کے سورج کا طلوع و غروب بھی دیکھا۔ محمد حافظ کلہوڑوں کے عہد میں ممتاز عہدے پر فائز تھے اور ان کا قیام بکھر یا سکھر کی انتظامیہ کے تحت خیرپور کے نواح میں ہی تھا۔ روائت ہے کہ ایک بار آپ اپنے ماتحت افراد اور نوکروں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار کسی دورے پر جا رہے تھے کہ راستے میں ایک مجذوب عورت بی بی بصری نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر انہیں روک لیا اور کہا کہ انہیں تو بارگاہِ ایزدی سے حقیقی بادشاہت عطا ہوئی ہے وہ دنیا کے دھندوں میں کہاں مارے مارے پھر رہے ہیں، بی بی بصری کی اس بات نے ایک دم ان کے دل و دماغ میں انقلابی تبدیلی پیدا کر دی، غالباً ذہنی طور پر وہ دنیاوی انتظامیہ سے وابستگی کو پہلے بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ بی بی بصری انہیں مکمل قطع تعلق تک لے گئیں اور محمد حافظؒ نے اسی دم اپنے گھوڑ سوار ساتھی، تزک و احتشام اور جاہ و مراتب کو خدا حافظ کہا اور جنگل کی راہ لی۔ روائت کے مطابق جنگل میں شبیر کا غار تھا۔ خواجہ محمد حافظؒ نے تنہائی کی زندگی اختیار کی اور اس غار میں عبادت میں مستغرق ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے مسلسل وہاں چالیس چلّے کاٹے یعنی اس غار میں انہوں نے کم و بیش ساڑھے چار سال بسر کر دیئے۔ اسی اثنا میں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے

Gul Hayat Institute

ایک بزرگ حضرت خواجہ عبیداللہ جیلانیؒ تشریف لائے اور غار کے منہ پر کھڑے ہو کر آواز دی ”اب خربوزہ پک چکا ہے باہر تشریف لائیں تاکہ خلق خدا آپ سے مستفیض ہو“۔ خواجہ محمد حافظؒ یہ سن کر باہر آ گئے۔ خواجہ عبیداللہ جیلانیؒ نے فرمایا ”یہ فیض آپ کے جدِ امجد خواجہ ابوسعید فاروقیؒ کا عطا کردہ ہے جو میں آپ تک پہنچا رہا ہوں“۔

خواجہ عبیداللہ جیلانیؒ نے رخصت ہونے سے پیشتر آپ کو خاص طور پر تین نصیحتیں کیں (۱) آپ کے ہاں دو بیٹے ہوں گے ان میں سے چھوٹے بیٹے کو گدی سپرد کرنا کیونکہ بڑے لڑکے میں سے ایک سرمست پیدا ہوں گے وہ لاولد ہوں گے لیکن چھوٹے بیٹے کی پشت قائم رہے گی (۲) آپ کے خاندان کا ہر فرد اپنے سجادہ نشین کو اپنا مرشد بنائے گا۔ کسی دوسری درگاہ کا مرید نہیں ہوگا (۳) آپ اور آپ کی وفات کے بعد جو بھی سجادہ نشین ہوگا وہ اپنی درگاہ کی حدود سے باہر نہیں جا سکتا۔

آخری ارشاد سُن کر خواجہ محمد حافظؒ رنجیدہ ہوئے اور عرض کی کہ اگر مجھے سرورِ کائناتؐ کے روضے کی زیارت کا اشتیاق ہو تو میں کیا کروں، خواجہ عبیداللہ نے فرمایا کہ تم فکر نہ کرو تمہاری درگاہ پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچہری لگے گی جس میں دوسرے اولیاء کرام بھی موجود ہوں گے تمہیں حضورؐ کی خاطر کہیں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، سچل سرمستؒ کے خلیفہ اور سندھی شاعر نانک یوسف فقیر نے کہا ہے۔

حکم ایھو دگاھوت مولیٰ قادر قدس کرارو تھي

شاہ قطب جیلاني جي شوقئون طبل نیھہ نقارو تھي

روز کچھری پیغمبر جي شہ درازن وارد تھي

یہ حکم بارگاہِ ایزدی سے جاری ہوا اور شاہ قطب جیلانی نے کہا کہ دراز اشریف میں

روزانہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچہری لگے گی۔

روائت سے قطع نظر درازا شریف کی اہمیت کا آغاز بھی بڑی حد تک خواجہ محمد حافظؒ سے اور انتہا بھی انہی سے ہے۔ درگاہ سے باہر نہ جانے کی روائت ڈیڑھ سو سال سے زیادہ تک جاری رہی مگر اب یہ روائت ترک کر دی گئی ہے، خواجہ محمد حافظؒ نے بعد میں ایک مرحلہ پر عبیداللہ جیلانیؒ کی دوسری ہدایت کے بارے میں اپنے دونوں بیٹوں کو آزمایا۔ روائت ہے کہ آپ نے اپنے بڑے بیٹے میاں صلاح الدین کو حکم دیا کہ فلاں درخت کے قریب میرا لوٹا رکھا ہے وہ لے آؤ میاں صلاح الدین جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ خون کا ایک دریا موجزن ہے جسے دیکھتے ہی ان کے دل پر ہیبت طاری ہو گئی اور فوراً واپس آ گئے اس کے بعد انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے میاں عبدالحق سے لوٹا لانے کے لئے کہا انہیں بھی خون کا دریا ہی نظر آیا مگر وہ اس سے خوفزدہ نہیں ہوئے اور دریا میں کود گئے تو وہاں کوئی دریا نہ تھا وہ لوٹا لے کر واپس اپنے والد کے پاس آ گئے اس واقعہ کے بعد خواجہ محمد حافظؒ نے میاں عبدالحق کی سجادہ نشینی کا اعلان کر دیا۔

سچل سرمستؒ کے تقریباً تمام سوانح نگار خواجہ محمد حافظؒ اور شاہ لطیف بھٹائی کی ملاقات کے بارے میں متفق الرائے ہیں تاہم تفصیل میں اختلاف ہے شاہ لطیف بھٹائیؒ اپنا آبائی وطن چھوڑ کر کئی برس جوگیوں اور سنیاسیوں کے ساتھ سندھ کے دور دراز علاقوں میں گھومتے رہے۔ لس بیلہ، مکران، کچھ، کاٹھیاواڑ، جیسلمیر اور ملتان کی سیر و سیاحت کی اور اپنے وقت کے مشہور اولیائے کرام سے مستفیض ہوئے۔ یہ سارا سفر انہوں نے پیدل ہی کیا تھا۔ یہ روایت مخدوم غلام محمد کھہڑا (تحصیل گمبٹ ضلع خیرپور) سے منسوب ہے کہ حضرت شاہ لطیف بھٹائیؒ کھہڑا

Gul Hayat Institute

شہر کی طرف جا رہے تھے کہ درازا شریف سے گذرے۔ میاں صاحب ڈنہ اس وقت ایک غار میں چلہ کشی میں مصروف تھے۔ حضرت شاہ لطیفؒ نے فرمایا "ہمیں اس جگہ سے ایک پکے خربوزہ کی خوشبو آرہی ہے"۔ ایک اہلِ دل درویش شاہ لطیفؒ کے اشارے کو سمجھ گیا اور عرض کی کہ پہلو کی جھاڑیوں میں خواجہ محمد حافظؒ چلہ کشی میں مصروف ہیں یہ سن کر شاہ لطیفؒ غار کے اندر گئے اور خواجہ محمد حافظؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ "اب محبوب کو چھپانا اچھا نہیں، چلو باہر چلیں۔ اس طرح شاہ لطیفؒ، خواجہ محمد حافظؒ کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئے اور دونوں بزرگ اوتارہ (فقیروں کی جھونپڑی) میں بیٹھ کر گفتگو کرتے رہے۔

ایک دوسری روائت ہے کہ کھہڑا شہر میں چنیہہ نام کا ایک شخص اُجن قبیلے سے تھا وہ خواجہ محمد حافظ ڈنہؒ کا خاص مرید تھا۔ چلہ کشی کے دوران ہر روز ان کی خدمت میں دودھ لے کر آیا کرتا تھا۔ جس روز غار میں خواجہ محمد حافظؒ اور شاہ لطیفؒ گفتگو کر رہے تھے چنیہہ فقیر بھی دودھ لے کر آگیا۔ غار کے اندر جانے لگا تو خواجہ محمد حافظؒ نے دیکھ لیا اور دور سے آواز دی کہ چنیہہ آج یہاں آگ جل رہی ہے اندر مت آنا مگر چنیہہ کو تو اسی آگ کی تلاش تھی وہ دیوانہ اندر چلا گیا۔ خواجہ محمد حافظؒ اس کی ہمت اور جرأت سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا "چنیہہ آج تیرے نام سے "چ" کا حرف نکل گیا، بس اب تو "نیہہ" یعنی سراپا عشق ہے"۔ اس کے بعد چنیہہ درویشِ کامل بن گئے اور ان کی اولاد میں پشت ہا پشت تک فقیر اور درویش گذرے ہیں۔ ان کی اولاد کھہڑا شہر میں ہے۔

خواجہ محمد حافظؒ صاحبِ کرامات بزرگ تو تھے ہی مگر تصوف کے سلسلہ کی روایات کے مطابق سندھی اور پنجابی کے شاعر بھی تھے۔ شاعری افکار کی تبلیغ کا ذریعہ تھی اور تبلیغ چونکہ

Gul Hayat Institute

عام انسانوں یعنی عاموں میں مقصود تھی اس لئے انہوں نے اس علاقے میں بولی جانے والی زبانوں کا سہارا لیا ان کی ایک پنجابی کافی ہے۔

صورت بشری کر کے بہانہ ہر رنگ دے وچ رنگ رچائم
یعقوب ہو کے بیٹھا جائم یوسف اپنا نام دھرائم
آپ کو آپے کھوہے پائم قیدی ہو کے در کنعان
آپے اپنا ئیں چکائم
حیدر بن کے حملہ کیتم ہو کے حسن میں زہر چا پیتم
نال نیازی دے نال ڑا نیتم چھوڑ مدینہ، ملک، مکان
کربل دے وچ کندھڑا کپائم
کداں شریعت دے وچ شادی کداں معرفت کراں منادی
کداں حقیقت دا ہاں ہادی کداں طریقت کر طولان
ہر مظہر دے وچ حکم ہلائم
مخفی بھی میں ہوں ظاہر بھی میں ہوں ناظر تے منظور بھی میں ہوں
تجلی بھی میں ہوں طور بھی میں ہوں موسیٰ نوں چا کر مستان
صاحب ڈنہ ہی نام سڈائم

سچل سرمستؒ کے بزرگوں میں سے سچلؒ کے لئے جو سب سے زیادہ واجب الاحترام بزرگ تھے وہ یہی خواجہ محمد حافظ عرف صاحب ڈنہؒ تھے۔ اس کے بعد خواجہ عبدالحقؒ کا مقام آتا ہے۔ سچلؒ کے دل و دماغ پر خواجہ محمد حافظؒ چھائے رہے اس لئے ان کی شاعری پر بھی خواجہؒ کے افکار کے گہرے سائے ہیں۔ مندرجہ بالا کافی سچل آںؒ کے سلسلہ شاعری کی ہی

Gul Hayat Institute

ایک کڑی نظر آتی ہے یا یوں کہیئے کہ سچلؒ کی ساری شاعری اس کافی کے سلسلے کی کڑیاں ہیں انہی کے حوالے سے سچلؒ کے لئے درازا دنیا کا سب سے اہم مقام بھی بن گیا۔ مدینہ سے درازا تک صدیوں پر پھیلا ہوا سفر سچلؒ کی شاعری میں قدم قدم پر اپنا رنگ دکھاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس طرف بھی ایک روزنِ در سے دیکھ لیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمر فاروقؓ کی وفات کے بعد آپ کے پوتے شیخ شہاب الدین بن عبدالعزیز پورے خاندان کے ساتھ حجاز سے ہجرت کرکے عراق میں آ گئے ۹۳ھ مطابق ۷۱۱ء میں جب عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کی کمان میں سندھ کو مہم بھیجنے کا فیصلہ کیا تو شیخ شہاب الدین کو جو اپنے عہد کے اہم مدبر اور سیاستدان تھے اس نوجوان سپہ سالار کے ہمراہ مشیر کی حیثیت سے بھیج دیا کیونکہ جب سندھ پر مسلمانوں کو پہلے حملے میں شکست ہوئی تو شیخ شہاب الدین نے ہی حجاج بن یوسف کو مشورہ دیا تھا کہ سندھ کے سرحدی علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لئے بڑے بڑے عالموں کو بھیجا جائے۔ غالباً اسی تجویز کی بنا پر حجاج بن یوسف نے شیخ شہاب الدین فاروقی کو محمد بن قاسم کے ہمراہ بھیجا۔

سندھ پر مسلمانوں کے غلبہ کے بعد شیخ شہاب الدین نے محمد بن قاسم کو لوگوں کی آسودگی اور خوشحالی کے لئے مفید اور کارآمد مشورے دیئے۔ جس سے ایک طرف مسلم فوج کو کچھ فوائد ہوئے تو دوسری طرف سندھ کے عوام کو نئے مذہب میں کشش نظر آنے لگی۔ محمد بن قاسم نے نیرون کوٹ (موجودہ حیدرآباد کے پاس) کے راجہ پر حملہ کرنے سے پہلے ایک سفارتی دستہ روانہ کیا جس کی قیادت شیخ شہاب الدین کر رہے تھے۔ اسی طرح محمد بن قاسم نے حملہ سے پہلے جو سفارتیں دوسرے راجاؤں کو

Gul Hayat Institute

بھیجیں وہ بھی شیخ شہاب الدین کی سربراہی میں بھیجی گئیں۔ یہ شیخ کی سفارتی صلاحیتوں نے بڑا کام دکھایا۔ اس طرح شیخ کے سندھ والوں سے گہرے تعلقات قائم ہوئے ان کی شہرت عام ہوئی۔

روائت کے مطابق جب محمد بن قاسم نے سیوستان (سیہون) فتح کیا تو شیخ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا۔ تھوڑی سی مدت میں انہوں نے اپنے نظامِ حکومت اور اپنی قابلیت کے باعث حکومت مستحکم کر لی مگر جلد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ انہیں سیہون میں ہی دفن کیا گیا ان کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد فاروق سیہون کے حاکم ہوئے اور اس کے بعد اس علاقے کی حکمرانی اسی خاندان کے پاس رہی۔

سندھ پر سلطان محمود غزنوی کے حملے کے بعد یہ خاندان سیہون کی حکمرانی سے سبکدوش ہوا۔ تاہم سلطان نے اس خاندان کی جاگیر مقرر کر دی۔ ساتویں صدی ہجری میں اس خاندان کے مخدوم نورالدین تھے جن کے چار فرزند تھے۔ ابو سعید، بدرالدین رکن الدین اور ضیاء الدین۔ ان میں سے مخدوم ابو سعید اور مخدوم بدرالدین سیہون سے ہجرت کر کے گاگڑی کے علاقے میں آ گئے یہ دونوں بھائی مخدوم جمارؒ کے مرید ہوئے جو مخدوم بہاؤالدین ذکریاؒ ملتانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ مخدوم جمارؒ کا مقبرہ رانی پور سے مشرق کی جانب دو میل کے فاصلے پر ہے۔ "رسالہ بچل سرمست" کے مؤلف مرزا علی قلی بیگ نے لکھا ہے کہ جس وقت مخدوم بہاؤالدین ذکریاؒ سندھ تشریف لائے تو ان دونوں بھائیوں (ابو سعید اور بدرالدین) کی یہ حالت دیکھی کہ جنگلی گھاس کے دانوں (ڈُتھ) پر گذر اوقات کر رہے ہیں۔ چنانچہ خواجہ بہاؤالدینؒ نے ان دونوں کو "ڈوتھڑ" کا لقب دیا۔

Gul Hayat Institute

مخدوم جماڑؒ کا مزار گڈیجی میں ہے اور ابوسعید کا موسیجی میں جو رانی پور سے ایک میل کے فاصلے پر ہے "سچل جو سرائیکی کلام" کے دیباچے میں مولانا محمد صادق رانی پوری لکھتے ہیں " مخدوم ابوسعید کی اولاد موسیجی سے ہجرت کر کے شہر رانی پور میں آکر آباد ہوئی۔ ان میں قاضی محمد شریف ایک زبردست عالم، محدث، صاحبِ کشف و کرامات اور بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کی مسجد جو کسی زمانے میں جامع مسجد تھی۔ اس وقت بھی رانی پور کے سرکاری ہسپتال سے شمال کی طرف پچاس گز کے فاصلے پر واقع ہے اس مسجد کے قریب جنوب کی طرف مخدوم محمد شریف اور ان کے رشتہ داروں کے مزار ہیں۔ مسجد کے نزدیک مشرق کی طرف ایک پکا کنواں ہے۔ کنوئیں کے مشرق کی طرف ایک وسیع قلعے کے اندر انہی فاروقی بزرگوں کے مکانات تھے۔ جن میں حضرت پیر صالح شاہ گیلانی کے ملازم رہا کرتے تھے۔

آغا غلام نبی صوفی نے اپنی کتاب "سچل سرمستؒ" میں لکھا ہے کہ "سیہون میں رہ رہ کر آخر اس فاروقی خاندان کا آب و دانہ تبدیل ہوا۔ زمانہ نے اپنی نیرنگیاں دکھانا شروع کر دیں۔ اور یہ خاندان سیہون کو خیرباد کہہ کر خدا آباد میں جا کر مقیم ہوا۔ لیکن فلک نے انہیں وہاں بھی چین نہیں لینے دیا۔ بعد میں وہ سندھ کے مشرقی ریگستانی علاقے تھر میں جا آباد ہوئے اس منتقلی کا خاص سبب معلوم نہیں تاہم ان دنوں خواجہ بہاؤالدین ذکریا ملتانی وہاں تشریف لائے اور اپنے خلیفہ مخدوم جماڑؒ کے ذریعے مخدوم ابوسعید اور مخدوم بدرالدین کو "ڈوتھڑ" کا لقب دیا۔ گڈیجی کے قصبہ میں اس خاندان کے خواجہ احمد فاروقی گذرے ہیں۔ غالباً کلہوڑوں سے بھی پہلے مغلوں کے عہد میں انہیں گمبٹ اور رانی پور میں جاگیریں دی گئیں۔ روایت ہے کہ فاروقی خاندان نے وہ جاگیریں دو خادموں کو آباد کرنے کے

Gul Hayat Institute

لئے دے دیں ان کے نام درازا اور کاجن تھے دونوں کا تعلق ونڈیر قبیلے سے تھا دراز ونڈیر کے نام پر درازا کا قصبہ آباد ہوا۔ اسی نسبت سے سچل سرمست درازی کہلائے۔

قاضی علی اکبر درازی اپنی کتاب "دولہا درازی" میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ محمد حافظؒ کے فیض روحانی کا شمسِ کمال عالم آشکار ہوا اور کئی مرید اور عقیدت مند آپ کے فیض سے بہرہ ور ہونے لگے۔ تو گردونواح کے شہروں یعنی گمبٹ اور رانی پور کے جیلانی سادات کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا اور فوراً میاں صاحب ڈنہ کو کہلا بھیجا کہ دو شیر ایک جنگل میں کبھی نہیں رہ سکتے۔ خواجہ محمد حافظ نے جواباً یہ عرض کی کہ "ہم آپ کے جدِ امجد حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے ارشادات کے مطابق یہاں آکر آباد ہوئے ہیں اور ہمیں آپ کی بزرگی کا بڑا احترام ہے لہذا آپ کبھی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔" میاں صاحبؒ ڈنہ کے اس پیغام پر پیر صاحبان نے فرمایا "اچھا آج رات ان تمام باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

گمبٹ اور رانی پور کے دونوں پیر صاحبان بڑے باکمال ولی اللہ تھے اور جب رات ہوئی تو ان دونوں نے حضرت غوث الاعظمؒ کے باطنی حضور میں حاضر ہو کر دیکھا کہ "سبحان اللہ! حضرت پیر دستگیر نے اپنے ایک گھٹنے پر اپنے ایک صاحبزادے کو بٹھا رکھا ہے اور دوسرے گھٹنے پر خواجہ محمد حافظؒ بیٹھے ہیں۔ حضرت پیر دستگیر نے گمبٹ اور رانی پور کے دونوں پیر صاحبان سے مخاطب ہو کر فرمایا" بیٹا! یہ محمد حافظ ہماری نظرِ فیض کا فرزند ہے اور ہمیں بہت پیارا لگتا ہے۔" پیر صاحبان نے جب حضرت غوث پاک کی بارگاہ میں خواجہ محمد حافظ کا اتنا بڑا مرتبہ دیکھا تو ان سے بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ پیش آئے اور آج تک ان تینوں درگاہوں کے سجادہ نشینوں اور عقیدت مندوں

Gul Hayat Institute

کا ایک دوسرے کے ساتھ دوستی اور محبت کا سلسلہ بدستور قائم ہے۔" سچل سرمست" کے مصنف حاکی خیرپوری کا خیال ہے کہ خواجہ محمد حافظ عرف صاحب ڈنہ کی درگاہ گمبٹ اور رانی پور کی درگاہوں سے پہلے قائم ہو چکی تھی۔ جیلانی سادات میں سے سید محمد شاہ اور سید احمد شاہ دونوں مخدوم احمد کھہڑا کے یہاں مقیم رہے تھے اور جیلانی سادات نے انہی کی وساطت سے رانی پور اور گمبٹ میں درگاہیں قائم کی تھیں۔

فاروقی خاندان کے اس پس منظر اور روایات میں خواجہ عبدالوہاب سچل سرمستؒ ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ء خواجہ محمد حافظؒ کے بڑے صاحبزادے خواجہ صلاح الدین کے گھر درازا میں پیدا ہوئے اس وقت خواجہ محمد حافظؒ کی عمر ۵۱ برس تھی۔ ان کی وفات کے وقت سچل سرمستؒ کی عمر ۲۶ برس تھی۔ جب کہ شاہ لطیف بھٹائیؒ سچل سرمست کی پیدائش کے چودہ برس بعد انتقال کر گئے۔ سچل سرمست کی پیدائش کے وقت مغلوں کی حکومت کو ختم ہوئے چالیس برس ہو چکے تھے اور چالیس برس سے کلہوڑوں کی حکومت تھی۔ خواجہ عبدالحق سچل کی پیدائش کے وقت ۳۲ برس کے تھے ۷۰ سال کی عمر میں خواجہ محمد حافظؒ کے سجادہ نشین ہوئے۔ سچل سرمستؒ صرف چھ برس کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ سچل سرمستؒ نے کلہوڑوں کے دور میں آنکھ کھولی اور پھر تالپوروں کا پورا عہد دیکھا اور زندگی کے آخری ایام میں انگریزوں کو "ہندسندھ" پر حاوی ہوتے محسوس کیا۔ سندھ میں ولندیزیوں کی آمدورفت بھی ان کے سامنے رہی کلہوڑوں کے عہد میں سندھ کی سیاسی اکائی اور پھر تالپوروں کے نصف عہد میں سندھ کی وحدت کو دیکھا مگر ان کی زندگی میں ہی سندھ تالپوروں کے تحت تین وحدتوں میں تقسیم ہو گیا ان میں ایک وحدت کے حکمران خیرپور کے تالپور تھے جو درازا کی گدی

Gul Hayat Institute

کے معتقد تھے۔

روایت ہے کہ سچل سرمستؒ کی پیدائش کے بعد شاہ لطیف بھٹائیؒ درازا شریف تشریف لائے۔ خواجہ محمد حافظؒ نے خواجہ عبدالحق، سچل سرمست اور خواجہ عبدالحق کے فرزندوں کو شاہ لطیف بھٹائیؒ کی خدمت میں دعا کے لئے پیش کیا۔ شاہ لطیف نے سچل کو دیکھا تو بے ساختہ کہہ دیا کہ "ہم نے جو خم چڑھایا ہے اس کا ڈھکنا یہ بچہ اتارے گا۔" سندھی ادبی دنیا اس پیش گوئی کو ایک تاریخی حقیقت سمجھتی ہے ہر چند بعض محققین کا خیال ہے کہ ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ بہر حال سچل سرمستؒ وہی کچھ ثابت ہوئے جو شاہ نے کہا تھا۔

روائت ہے کہ سچل سرمستؒ کی پرورش ایک نیک سیرت دایہ کے سپرد کی گئی جو شیدی (حبشی) قوم سے تھی اور حضرت سچل سرمستؒ اسے پیار میں "کالی اماں" کہا کرتے تھے۔ ایک روز دایہ نے حضرت سچل سرمستؒ کو ہدایت کی کہ بیٹا کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بہت ضروری ہے۔ حضرت سچل سرمستؒ نے جواب دیا۔ اماں اس لفظ میں تو اللہ کا نام آخر میں آتا ہے آپ مجھے وہ لفظ سکھایئے جس میں اللہ کا نام سب سے پہلے آتا ہو۔

سچل سرمستؒ کو ان کے چچا خواجہ عبدالحق نے سب سے پہلے حافظ عبداللہ قریشی صدیقی کے پاس قرآن مجید حفظ کرنے کے لئے بھیجا۔ آپ بچپن میں ہی قرآن مجید ازبر کر کے حافظ اور قاری بن گئے۔ ان کے استاد کی تربت بھی آپ کے مقبرے کے سامنے صحن میں موجود ہے اپنے استاد کی وفات پر خود سچلؒ نے مادۂ تاریخ نکالا اور یہ قطعہ اپنے استاد کی لوح پر لکھوایا۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد سچل سرمست رحؒ کو

Gul Hayat Institute

خواجہ عبدالحق نے خود فارسی پڑھانا شروع کی۔ علوم عربیہ متداولہ کی تحصیل کے ساتھ علم تصوف و معرفت کی بھی تکمیل کرائی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ علاقہ میں عام لوگ اسی کارن انہیں خلیفہ سچل بھی کہتے ہیں۔ خود سچلؒ نے اپنا استاد اور مرشد خواجہ عبدالحقؒ کو ہی کہا ہے اور چاروں زبانوں میں خواجہ عبدالحقؒ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

سچل سرمستؒ بچپن میں بہت کم بولتے تھے اور جو کچھ بولتے تھے وہ سچ ہوتا تھا اس لئے بچپن سے ان کا نام سچو یا سچل پڑ گیا۔ تن تنہا رہنا عادت تھی۔ جنگلوں میں پھرتے رہتے تھے، خموشی، صبر اور تفکر ان کا فطری سرمایہ تھا۔ ایام جوانی میں باجماعت نماز پنجگانہ پابندی سے ادا کرتے زیادہ تر وقت درود و وظائف میں مشغول رہتے تھے، اسی اثنا میں خواجہ عبدالحقؒ نے اپنی دختر نیک اختر سچلؒ سے بیاہ دی۔ جن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، سچلؒ زیادہ تر درازا میں ہی رہے ایک آدھ بار سکھر، روہڑی، شکارپور، لاڑکانہ اور قرب وجوار کے علاقوں میں گئے۔ روہڑی میں ان کی ملاقات قادر بخش بیدل سے ہوئی جو آپ کے بڑے معتقد تھے۔ سکھر اور شکارپور میں آپ کی ولایت و کرامت اور درویشی اور سخنوری کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور کئی لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آکر شامل ہوئے۔ لاڑکانہ میں عثمان فقیر چاکی کو فیض روحانی سے مستفیض فرمایا اور میاں محمد صالح کو سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرائیں۔

آپ کی جوانی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ گھوڑے پر سوار کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک آدمی ملا جو بیل لئے جا رہا تھا، سچلؒ نے اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے اس نے جواب دیا "محبوب" آپ نے پھر پوچھا "کدھر جا رہے ہو"۔ بولا "مستی" (گاؤں کا نام) کی طرف۔ اس پر آپ نے دریافت کیا "کس کے پاس" بولا "محبت کے پاس"۔ یہ سن کر سچلؒ

Gul Hayat Institute

پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ جھوم جھوم کر کہنے لگے "سبحان اللہ، سبحان اللہ محبوب محبت اور مستی کی طرف جا رہا ہے۔" آپ فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور اس آدمی کو گھوڑے پر سوار کرا دیا اور خود اس کا بیل پکڑ کر پیدل چل پڑے اور سارا راستہ کہتے گئے "واہ واہ سبحان اللہ، محبوب مستی اور محبت کی طرف جا رہا ہے" آخر آپ درازا پہنچ گئے اور وہاں اپنے نوکر سے کہا کہ اس آدمی اور بیل کو محبت کے پاس پہنچا آؤ۔ اس کے ساتھ آپ نے اپنا گھوڑا بھی اس شخص کو بخش دیا۔

عام روایت ہے کہ میرانِ خیرپور اور درازا کے فاروقی فقیروں کے ایک دوسرے کے ساتھ اتنے گہرے تعلقات تھے کہ ایک عامل دیوان جو حیدرآباد کے میر صاحبان کے یہاں ملازم تھا کسی وجہ سے ملازمت چھوڑ کر خیرپور کے والی میر سہراب خان کے یہاں چلا آیا اور ان کا مختارِ کار ہوا۔ چند دنوں کے بعد اس نے سرکاری رقوم میں نادانستہ یا دانستہ طور پر خورد برد کی اور اسی الزام میں گرفتار ہوا۔ اس حیدرآبادی دیوان کے رشتہ دار صوفی فقیر میاں فضل اللہ جھوک شریف والے کی خدمت میں جا حاضر ہوئے اور سفارش کے لئے منت سماجت کی۔ صوفی فقیر نے انہیں ایک خط خواجہ عبدالحق رح کے نام لکھ دیا اور اس میں لکھا کہ "ہمارا ایک آدمی تمہارے ظالموں نے قابو کر رکھا ہے اسے فوراً آزاد کرا دو۔" حضرت خواجہ عبدالحق نے خط پڑھ کر اپنی دستار حضرت سچل سرمست رح کے سر پر رکھی اور فرمایا کہ "جاؤ اور میران خیرپور سے حیدرآبادی عامل کو آزاد کرا کے لاؤ" سچل سرمست رح میر سہراب خاں کے دربار میں پہنچ گئے اور وہاں بندوقیں دیکھ کر پوچھا "یہ کیا ہیں؟" سب لوگوں نے جواب دیا کہ یہ بندوقیں ہیں اور ان سے شیروں کا شکار کیا جاتا ہے۔ حضرت سچل رح نے فرمایا

Gul Hayat Institute

کہ شیر کا شکار آسان بات نہیں، حاضر خدمتگاروں نے تکرار سے کام لیتے ہوئے کہا کہ "یہ بندوق صرف چند قدموں پر شیر کی دھجیاں اڑا دیتی ہے"۔ اس پر سچل سرمستؒ کی طبیعت میں عجیب طرح کا جوش پیدا ہوا۔ آپ کے چہرے پر جلال کے کچھ ایسے آثار نمایاں ہوئے کہ میر سہراب خاں کے تمام صاحبزادگان اور حاضرین مجلس کو یوں محسوس ہونے لگا گویا سچ مچ شیر آکر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا ہے۔ سب ڈر کے مارے کانپنے لگے اور معافی کی درخواست کی۔ آخر ان صاحبزادگان کی سفارش پر حضرت سچل سرمستؒ کی منشا کے مطابق اس ہندو عامل دیوان کو فوراً قید سے آزاد کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد ریاست خیرپور کے تمام میر صاحبان درازا کے فاروقی فقیروں کے بڑے معتقد بن گئے وقتاً فوقتاً زیارت کے لئے آتے اور نذر نیاز پیش کرتے۔ رشید احمد لاشاری نے لکھا ہے کہ مرزا علی قلی بیگ کے مطابق جب سچل سرمستؒ نے وفات پائی۔ میر علی مراد خان نوعمر تھے۔ میر علی مراد خان کا اپنا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب میں چھوٹا سا تھا تو آپ نے میری آنکھوں پر بوسہ دیا تھا اور مجھے دعا دی تھی۔ اس واقعہ کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ ایک روز ریاست خیرپور کے چھوٹے بڑے میر صاحبان شکار سے واپس لوٹتے اور درازا کے قریب سے گذر رہے تھے حضرت سچل سرمستؒ اس وقت کنوئیں پر اپنے پورے جسم کو ملتانی مٹی لگائے نہانے کے لئے تیار تھے۔ سر پر پانی ڈالنے ہی والے تھے کہ بڑے میر صاحبان حضرت کی قدمبوسی کے لئے آگے بڑھے مگر انہیں ملتانی مٹی میں لتھڑا ہوا دیکھ کر فوراً پیچھے ہٹ گئے، نزدیک نہیں آئے دور کھڑے خیر و عافیت پوچھتے رہے۔ میر مراد خاں جو سب سے

Gul Hayat Institute

چھوٹے تھے اور سب سے آخر میں وہاں پہنچے تھے فوراً دوڑ کر سچل سرمستؒ کے قدموں میں گر پڑے۔ سچلؒ بہت خوش ہوئے فوراً اٹھ کر میر علی مراد خاں کی آنکھوں پر بوسہ دیا اور انہیں دعا دے کر بڑے میر صاحبان سے مخاطب ہو کر فرمایا "تم ملتانی مٹی دیکھ کر مجھ سے پیچھے ہٹ گئے لیکن یہ ملتانی مٹی نہ تھی بلکہ جاہ و اقبال کی مہندی کا رنگ تھا جو اس چھوٹے میر صاحب (میر علی مراد خاں) کو لگ چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت سچل سرمستؒ کی دعا کا ہی اثر تھا کہ ۱۸۴۳ء میں (سچلؒ کی وفات کے صرف سترہ برس بعد) جب انگریزوں نے میرانِ سندھ سے حکومت چھین کر برطانوی پرچم لہرا دیا تو تمام سندھ میں خیرپور ہی ایک ایسا علاقہ تھا جہاں میر علی مراد خاں کی ریاست باقی رہ گئی۔

مرزا علی قلی بیگ نے حضرت سچل سرمستؒ کی شادی اور اولاد کے بارے میں ایک روایت درج کی ہے کہ والئ ریاست خیرپور میر رستم خاں (واضح رہے کہ رستم خان حضرت سچلؒ کی وفات کے چار برس بعد ۱۸۳۰ء میں میر سہراب خان کا جانشین مقرر ہوا تھا) کا فرزند میر حسن سخت بیمار تھا، میر رستم خان نے حضرت سچل سرمستؒ کو اپنے بیٹے کی دعا کے لئے اپنے پاس بلایا۔ سچل سرمستؒ نے میر محمد حسن کے لئے دعا کی اور وجد و مستی میں آکر میر رستم خان سے مخاطب ہوئے کہ "ہم اپنا فرزند تمہارے فرزند کے عوض اللہ میاں کے سپرد کرتے ہیں۔" سچل سرمستؒ ابھی خیرپور میں میر رستم خان ہی کے پاس تھے کہ اس کا فرزند میر محمد حسن تندرست ہو گیا۔ جب کہ سچلؒ کا بیٹا جس کا نام نیاز علی یا موجود علی تھا وفات پا گیا ——— لیکن اس روایت میں کسی اعتبار سے بھی کوئی صداقت نظر نہیں آتی۔

رشید احمد لاشاری لکھتے ہیں "کتاب تذکرہ مخادیم کھہڑا (قلمی) میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ محکم دین سیلانی امیر (خانقاہ شریف بہاولپور) درازا شریف کے نزدیک

Gul Hayat Institute

جنگل میں آکر مقیم ہوئے۔ حضرت سچل سائیںؒ ان کی ملاقات کے لئے گئے۔ ملاقات کے وقت حضرت محکم دین صاحب نے سچل سائیںؒ سے بغلگیر ہوتے ہی ان کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا اور فرمایا بس تمہارے لئے عشق الٰہی کا یہ ایک طمانچہ ہی کافی ہے اس روز سے سچل سرمستؒ کے لقب سے مشہور ہوئے۔" مولانا محمد صادق رانی پوری اور قاضی علی اکبر درازی دونوں اس روایت کی تردید کرتے ہیں کیونکہ انہیں سچلؒ کے کلام یا تحریروں سے اس کی تصدیق نہیں ملتی۔

فیض پانے کی روایات اپنی جگہ، فیض یاب کرنے کی روایات میں بھی ایک منفرد رنگ ہے۔ حضرت سچل سرمستؒ کے دربار سے وابستہ فقیر نانک یوسف گذرے ہیں جن کے والد کا نام مولوی محمد ہاشم تھا۔ سبی (بلوچستان) کے رہنے والے تھے۔ مگر وہاں سے شہر جھل مگسی آگئے جہاں انہیں مفتی مقرر کر دیا گیا۔ ان کے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ مشہور ولی اللہ گوڑیا کے مزار پر آکر دعا مانگی۔ وہاں انہیں بشارت ہوئی کہ بیٹا ہوگا لیکن وہ اپنے زمانے کا منصور ہوگا۔ مولوی ہاشم کے گھر بیٹا ہوا، اس کا نام محمد یوسف رکھا گیا۔

محمد یوسف نے اپنے والدِ بزرگوار سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور فارغ التحصیل ہوکر دستار بندی کی۔ رسم دستار بندی کے چند دنوں بعد ہی مولوی ہاشم کا انتقال ہوگیا۔ محمد یوسف کو اُن کی جگہ گدی نشین کیا گیا۔ عالم فاضل تھے، نیک دل تھے۔ اس لئے علم و کمال کی شہرت جلد ہی دور دور تک جا پہنچی۔ عالم فاضل سلامی کے لئے آنے لگے۔ اس کے باوجود محمد یوسف کے دل میں ہمیشہ یہ خیال رہا کہ میں عالم، فاضل اور زاہد و عابد تو بن گیا لیکن اللہ کا دیدار نصیب نہیں ہوا۔ اس بے قراری میں شہر چھوڑ

Gul Hayat Institute

کر جنگل کی راہ لی۔ جنگل میں چلہ کشی کی اور بشارت ہوئی کہ فیضِ الٰہی حاصل تو ہوگا مگر اس جگہ سے جہاں صبح و شام نعرۂ منصوری بلند ہوتا رہتا ہے۔

محمد یوسف نے ایک سال میں متواتر تین بار چلے کاٹے لیکن ہر مرتبہ یہی بشارت ہوئی آخر اس تلاش میں نکل پڑے۔ رانی پور سے ہوتے ہوئے درازا شریف کے قریب پہنچ گئے۔ تاہم رات کا وقت تھا راستہ بھول گئے اور رات بسر کرنے کے لئے بستی ڈھونڈنے لگے انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ کون سا قصبہ یا گاؤں ہے تاہم سماع کی آواز سن کر درگاہ شریف کی حدود میں داخل ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ مسجد کے حجرے کے اندر ایک مردِ خدا مراقبے میں ہے اور دوسرے فقرا اس کے اردگرد سماع میں مشغول ہیں۔ محمد یوسف نے اچھی طرح پہچان لیا، کہ منصوری نعرہ بلند کرنے والا مردِ مجاہد یہی شخص ہو سکتا ہے"۔ یہ سوچ کر محمد یوسف بھی ان فقیروں کے ساتھ سماع میں شامل ہو گئے لیکن ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اس مراقبے والے شخص نے فقیروں کو حکم دیا کہ اس نووارد کو اسی وقت مسجد کے حجرے سے نکال دو۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی اور انہیں مسجد کے حجرے سے باہر نکال دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر مسجد میں داخل ہوئے مگر مراقبے والے نے پھر مسجد سے نکالنے کا حکم دیا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا تاہم جب تیسری مرتبہ محمد یوسف کو مسجد سے باہر پھینکا تو وہ بے ہوش ہو گئے مراقبے والے نے محمد یوسف کو جب بے ہوشی کے عالم میں دیکھا تو کہا کہ اس کو ڈنڈا ڈولی کر کے شہر سے باہر پھینک دو۔ حسبِ ارشاد محمد یوسف کو سمتی تالاب کے قریب ایک درخت کے ساتھ ٹیک دلا کر پھینک دیا گیا۔ محمد یوسف اس

Gul Hayat Institute

درخت کے ساتھ اس طرح ٹیک لگائے بیٹھے کہ ان کا منہ درگاہ شریف کی طرف رہا اسی طرح متواتر چند روز تک وہیں بیٹھے رہے اور کسی طرف بھی ہلے جُلے نہیں۔

اس واقعہ کو چند روز گذر گئے تو حضرت سچل سرمستؒ جو دراصل مراقبے والے بزرگ تھے اپنے فقیروں کے ساتھ اس تالاب کے پاس سے گذرے اور اس درویش کو بے ہوشی کے عالم میں دیکھا۔ حضرت سچل سرمستؒ نے فقیروں سے فرمایا کہ جاکر دیکھو زندہ ہے کہ مرگیا ہے۔ فقیروں نے دیکھ کر عرض کیا کہ "قبلہ یہ بے چارہ مرگیا ہے"۔ سچلؒ نے ہنس کر فرمایا "یہ درویش آسانی سے مرنے والا نہیں بلکہ زندہ ہے"۔ فقیروں نے التجا کی کہ قبلہ یہ فقیر آپ کا سچا عاشق ہے اب تو اس پر نگاہ کرم ڈالئے۔ آپ نے فرمایا "اچھا اسے میرے پاس لے آؤ"۔ فقیروں نے فوراً اس کے قریب پہنچ کر آواز دی کہ "چلو تمہیں مرشد نے یاد فرمایا ہے"۔ فقیر یہ آواز سن کر اچھل کر اٹھا اور تندرستوں کی طرح خوشی خوشی پیدل حضرت سچل سرمستؒ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

حضرت سچل سرمستؒ نے محمد یوسف پر نظر عنایت فرمائی اور اسے اپنے روحانی فرزندوں میں شامل کرکے ریاضت کا حکم دیا۔ پہلے بارہ مہینے تو وہ لنگر کے لئے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے رہے۔ روایت ہے کہ وہ ابھی لکڑیاں کاٹتے ہی رہتے تھے کہ لنگر ختم ہو جاتا تھا اور انہیں روٹی نصیب نہیں ہوتی تھی حضرت سچلؒ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے ان سے لکڑیاں کاٹنے کا کام بند کرادیا اور پانی بھرنے کا حکم دیا۔ بارہ ماہ تک محمد یوسف درگاہ کے لئے مٹکے بھرتے رہے۔ اس کے بعد مرشد نے کرم فرمایا اور انہیں اپنا خاص خدمتگار مقرر کیا۔

Gul Hayat Institute

یوسف فقیر سے پہلے یعقوب فقیر بھی حضرت سچلؒ کی خدمت میں رہتے تھے
روایت ہے کہ ایک روز سچلؒ اپنی خلوت گاہ میں بیٹھے تھے۔ آپ نے اچانک آواز دی کہ "یعقوب، یعقوب"۔ یعقوب فقیر اس وقت موجود نہ تھے۔ یوسف فقیر نے جواب دیا "یعقوب حاضر نہیں اس کا بیٹا یوسف حاضر ہے"۔ اسی طرح حضرت سچلؒ نے تین بار یعقوب کو آواز دی۔ یوسف فقیر نے ہر مرتبہ وہی جواب دیا۔ کہتے ہیں کہ اس بات پر سچلؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور جب حال سے باہر آئے تو فوراً یوسف فقیر کو گلے سے لگا لیا اور فرمایا "اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ امانت جب تمہیں حاصل ہونی تھی تو یعقوب کو کیسے دی جا سکتی ہے یوں مرشد کی ایک ہی نگاہ سے یوسف فقیر واصل باللہ ہوئے۔

مرشد سے مستفیض ہونے کے بعد یوسف کچھ عرصہ درازا میں ہی مقیم رہے۔ لیکن بعد میں حکم ہوا کہ رنگپور کی بستی میں بود و باش اختیار کرو۔ یوسف فقیر اسی بستی میں آ کر مقیم ہوئے جسے آج کل یوسف فقیر جو گوٹھ یا اگڑا کہا جاتا ہے۔ روایت ہے ایک مرتبہ یوسف فقیر کو حضرت سچل سرمستؒ نے حکم دیا کہ فوراً چلے جاؤ اور امرتسر کی سیر کر کے آؤ۔ مرشد کے ارشاد کے مطابق یوسف فقیر نے حاجی عبداللہ فقیر، ڈھنڈھن فقیر، بلو فقیر اور اللہ داد فقیر کو اپنی رفاقت میں لیا اور سفر پر چل پڑے۔ کئی منزلیں طے کرنے کے بعد امرتسر میں سکھوں کے دربار میں پہنچ گئے۔

یوسف فقیر نے امرتسر پہنچ کر خود کو 'گورو نانک' کہلانا شروع کر دیا۔ سکھوں کو ان پر بڑا غصہ آیا۔ سکھوں نے انہیں گھیر لیا اور فیصلہ ہوا کہ یوسف کو گستاخی کی سزا دی جانی چاہیئے۔ چنانچہ ایک منصوبہ کے مطابق یوسف فقیر سے کہا گیا کہ گورو نانک کا

Gul Hayat Institute

یہ معمول تھا کہ ہر روز تیل کی ایک کڑاہی آگ پر رکھواتے تھے اور جب تیل کھولنے لگتا تھا تو فوراً اس میں کود کر اشنان کرتے تھے۔ آپ اگر واقعی گورونانک ہیں تو اپنے اس کارنامے کو دوبارہ کر دکھایئے۔ یوسف فقیر نے سکھوں کی اس تجویز کو فوراً قبول کر لیا۔ فوراً تیل کی کڑاہی چڑھائی گئی اور اس کے نیچے شعلے بھڑکنے لگے۔ جب تیل کھولنے لگا تو یوسف فقیر سے کہا گیا کہ اب خود کو گورونانگ ثابت کیجیئے۔ یوسف فقیر جوش میں آکر تیل میں کودنے والے تھے کہ اچانک غیر متوقع طور پر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور چند لمحوں کے اندر ابلتا ہوا تیل پانی کی طرح ٹھنڈا ہو گیا۔ یوسف فقیر نے اس کڑاہی میں غوطے لگائے اور اپنی مشہور کافی گانا شروع کر دی۔

دھوپڑے میں دھپا سائیں دھوپڑے میں دھپا
گگا چھوڑ کے دوا دھو کے لالاؔ، تتا، پپا سائیں دھوپڑے میں دھپا
نانک یوسف عشق انوکھا مرشد میرا مکہ
اس پر میری جان تصدق وہ عاشق کا تپا سائیں دھوپڑے میں دھپا

گانا ختم ہوا تو یوسف فقیر اشنان کر کے باہر نکلے یہ کرامت دیکھ کر سکھ بھی معتقد ہو گئے اب تک آپ صرف یوسف فقیر کہلاتے تھے اب نانک یوسف کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت سچل سرمست ؒ انہیں یوسف کنعانی کے نام سے بھی پکارتے تھے۔ نانک یوسف فقیر کے مرنے پر رو ہڑی کے فقیر قادر بخش بیدل نے قطعے کی صورت میں تاریخ وفات کہی۔

یوسفِ مصر جاں عزیز وجود جانب ملک جاوداں رفتہ
سال وصلش خرد بجست سروش گفت طایر بہ آشیاں رفتہ

۱۲۶۹ھ

حیدرآباد اور سندھ کے میر شیعہ تھے۔ چنانچہ خیرپور کے میروں کے بارے میں حیدرآباد کے میروں کو یہ اعتراض تھا کہ وہ سُنیوں اور وہ بھی فاروقیوں یعنی درازا والوں کے معتقد ہیں۔ قاضی علی اکبر درازی مصنف "دولہا درازی کے دربار کے موتی" میں لکھتے ہیں کہ حیدرآباد کے میر واحد بخش نے اس سلسلے میں خیرپور کے میر علی مراد خاں کو خط لکھا اور طعنہ دیا کہ تم شیعہ ہوکر درازا کے اہلِ سنت فاروقیوں کے معتقد ہو۔ علی مراد خاں نے واحد بخش کو لکھ بھیجا کہ سچل سرمستؒ بڑے کامل اکمل عارف ولی اللہ ہیں انہیں رب رسولؐ کے راز معلوم ہیں جو ان کا منکر ہے وہ مردود ہے۔ میر واحد بخش نے علی مراد خاں کو لکھا کہ ہم یوں نہیں مانتے بہتر ہوگا کہ سچلؒ کا کوئی فقیر ہمارے پاس بحث مباحثہ کے لئے بھیجو۔ یہ خبر سچل سرمستؒ کو بھی معلوم ہوگئی انہوں نے یوسف فقیر کو حیدرآباد میں میر واحد بخش کی کچہری میں جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ فقیر یوسف اپنے دوسرے فقیروں کے ساتھ میر واحد بخش کی کچہری میں پہنچ گئے مگر وہاں میر واحد بخش نے ان فقیروں سے سخت بدسلوکی کی جس پر یوسف فقیر نے میر واحد بخش سے کہا کہ "پگ گئی اور ٹوپی آگئی"۔ یہ اشارہ تھا حیدرآباد کے میروں کی حکومت کے خاتمے اور انگریزوں (ٹوپی والوں) کی حکومت کے آنے کا۔

میرپور کے پہلے حکمران میر سہراب خان (۱۷۳۰ - ۱۸۳۰ء عہد حکومت ۱۷۸۴ - ۱۸۳۰ء) درازا شریف کی درگاہ اور سجادہ نشینوں کے بڑے معتقد تھے انہوں نے خواجہ محمد حافظؒ، خواجہ عبدالحقؒ اور سخی قبول محمد تینوں کا عہد دیکھا تاہم درگاہ پر پہلا مقبرہ میر رستم خان نے ۱۲۲۵ھ (جس وقت سچلؒ کی عمر ۴۷ سال تھی) میں تعمیر کرایا۔ تیسرے حاکم علی مراد خاں نے سچل سرمستؒ کا فارسی دیوان "دیوان آشکارا"

Gul Hayat Institute

پچھلی صدی کے نصف آخر میں چھپوایا تھا۔

رشید لاشاری اپنی کتاب ''سچل سرمستؒ'' میں لکھتے ہیں ''بعض احباب نے لکھا ہے کہ کھہڑا کے مخدوموں کو سچل سرمستؒ سے عداوت تھی۔ لیکن یہ بات حقائق کے خلاف جاتی ہے اس کے متعلق ''تذکرہ مخادیم کھہڑا'' کا یہ حوالہ ہی کافی ہے کہ ایک مرتبہ مخدوم محمد عاقل اول اور ان کے بھائی مخدوم محمد صاحب کا جاگیروں کے سلسلہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تنازعہ ہوگیا۔ مخدوم محمد صاحب میر سہراب خاں کے یہاں پکار پکار کر تھک گئے۔ لیکن کسی قسم کی دادرسی نہ ہوئی۔ آخر وہ سخی قبول محمد اور سچل سرمستؒ کے یہاں فریاد لے کر آئے۔ چنانچہ سچل سرمستؒ، مخدوم محمد کا معاملہ لے کر مخدوم محمد عاقل کے پاس گئے تو مخدوم محمد عاقل نے اپنی مہر اٹھا کر سچل سرمستؒ کے ہاتھ میں دے دی اور کہنے لگے آپ جو فیصلہ کریں مجھے منظور ہے۔ سچل سرمستؒ نے فیصلے کے مطابق ملکیت کا مناسب حصہ مخدوم محمد عاقل کے بھائی مخدوم محمد کو دلایا اور دونوں بھائیوں کو گلے ملا کر ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر بنا دیا۔

سچل سرمستؒ کے شعر کہنے کا یہ عالم تھا کہ جس وقت سارنگی یا طبلے پر ہاتھ لگتا تھا تو آپ پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ سر کے بال کھڑے ہو جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے تھے۔ عین وجد و مستی کی حالت میں متواتر شعر کہتے جاتے تھے اور ان اشعار کو ان کے مرید اور فقیر قلمبند کرتے جاتے تھے۔ آپ جب ہوش میں آتے تو آپ کو کلام پڑھ کر سنایا جاتا لیکن آپ کہتے تھے کہ ''یہ کسی کہنے والے نے کہا ہوگا مجھے کچھ یاد نہیں''۔

مرزا علی قلی بیگ نے لکھا ہے کہ سچلؒ کے مریدوں نے ان کا اکثر کلام

Gul Hayat Institute

کتابی صورت میں اکٹھا کر رکھا تھا۔ لیکن ایک موقعہ پر آپ نے ان سب مسوّدوں کو نذر آتش کر دیا کیونکہ آپ کو اپنے کلام کے متعلق یہ شک پیدا ہو گیا تھا کہ مبادا لوگ غلط مطلب لے کر گمراہ نہ ہو جائیں۔ اس واقعہ کو جب کافی عرصہ گذر گیا تو آپ کے فقیروں اور عقیدتمندوں کے بار بار کے اصرار پر آپ نے اپنے کلام کو دوبارہ قلمبند کرنے کی اجازت دے دی۔ فقیروں کو جو کلام یاد تھا اسے کتابی صورت میں لے آئے۔ مرزا علی قلی بیگ کی روایت کے مطابق آپ کی وفات کے وقت آپ کی تمام کافیوں (۹) کا شمار کیا گیا تو کل نو لاکھ چھتیس ہزار چھ سو تھیں۔

ایک دفعہ آپ کچھ زیادہ بیمار ہوئے تو سجادہ نشین سخی قبول محمد نے جنہیں سچل ؒ کی حسن پرستی اور لے سے دلچسپی کا بخوبی علم تھا۔ میر رستم خاں کو کہلا بھیجا کہ آپ کچھ گانے والیاں بھیجیں۔ جب گانے والیاں درازا پہنچیں تو حضرت سچل سرمست ؒ کو بہت خوشی ہوئی آپ اٹھ بیٹھے۔ گانا سنتے ہی آپ پر وجد طاری ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ رو بصحت ہو گئے۔

ایک دوسری دفعہ بیماری کے دوران لاڑ کانے کی ایک گانے والی آئی، تو حضرت سچل سرمست ؒ نے اسے دیکھ کر فرمایا "بسم اللہ ہمارا طبیب آیا، ہمارا حکیم آیا۔"

کریم بخش خالد اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ سچل ؒ کے عہد کے مذہبی حالات بھی ناگفتہ بہ تھے۔ کھہڑا کے مخدوم مذہبی لحاظ سے انتہا پسند تھے انہیں اس قدر مذہبی اقتدار حاصل تھا کہ معمولی باتوں پر ہندوؤں کو جبراً مسلمان کیا کرتے تھے۔ حکام اور علماء بھی ان کے احکام کو رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ غیر مسلموں کو زبردستی حلقۂ اسلام

Gul Hayat Institute

میں لانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اقلیتیں حکومت اور مخدومین کے خلاف گڑبڑ اور بغاوت کے منصوبے بنانے لگیں اور آنے والے دور نے یہ بات ثابت کر دکھائی کہ جب انگریز سندھ میں وارد ہوئے تو ہندوؤں اور دوسری اقلیتوں نے میران سندھ کے خلاف ان کا ساتھ دیا تاہم اس دور میں بزرگانِ دین کی خانقاہیں مظلوم انسانوں کے لئے امن اور سکون کے بہت بڑے مراکز تھیں اس سلسلے میں گمبٹ اور رانی پور کو خصوصیت حاصل تھی۔ جہاں ابراہیم شاہ اور صالح شاہ قادری فیض کے دریا بہا رہے تھے۔ علاوہ ازیں کنڈڑی (ریاست خیرپور) روہڑی، پیر گوٹھ اور سندھ کے دوسرے علاقوں میں بھی ان کے مسکن قائم تھے۔"

سچل سرمستؒ سندھ میں منصوری روایت کے علمبردار تھے اور اس ضمن میں سندھ کی جو روایات تھیں ان کی پاسداری کو انہوں نے فرض جانا۔ چنانچہ جھوک شریف والے شاہ عنایت کو وہ منصوری راہ کے شہیدوں میں شمار کرتے ہیں۔ سندھی، فارسی اور پنجابی میں شاہ عنایت کو بار بار انہوں نے خراج عقیدت پیش کیا۔ شاہ عنایت کا تنازعہ اگر ایک طرف تنگ نظر ہم عقیدہ لوگوں سے تھا۔ تو دوسری طرف اس وقت مغلوں اور کلہوڑوں کے ان حاکموں سے جو عارضی اور فوری مقاصد کے حصول کے لئے طاقت اور جبر کو ضروری خیال کرتے تھے۔ مولانا اعجاز الحق قدوسی نے "تحفۃ الاکرام" اور "مقالات الشعرا" کے حوالے سے شاہ عنایت شہید جھوک شریف والے کے بارے میں واقعہ "تاریخ سندھ" میں اس طرح لکھا ہے۔

صوفی شاہ عنایت اللہ بن مخدوم فضل اللہ بن ملا یوسف بن ملا شہاب الدین بن ملا رجب بن مخدوم صدو لنگاہ' اپنے وقت کے نہایت جلیل القدر صوفی و درویش تھے۔ دولت حق شناسی کے لئے ملکوں ملکوں پھرتے رہے یہاں تک کہ دکن میں پہنچ کر

Gul Hayat Institute

شاہ عبدالمالک کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر تصوف کی تمام منازل طے کیں۔ وہ علومِ ظاہری حاصل کرنے کے لئے شاہ غلام محمد کی خدمت میں پہنچے تھے جو اس وقت شاہجہاں آباد (جہاں آباد) میں مقیم تھے اگرچہ شاہ عنایت نے علوم ظاہری کی تعلیم شاہ غلام محمد سے حاصل کی لیکن سلوک کی منزلیں شاہ غلام محمد نے شاہ عنایت سے طے کیں وہ ٹھٹھہ ان کے ساتھ آئے۔ شاہ غلام محمد شیخ کی ارادت میں بعض ایسے طریقے اختیار کرتے تھے جو علماء کے نزدیک ناجائز تھے۔ مثلاً وہ اپنے شیخ کو سجدہ تحیت کرتے تھے۔ علماء نے اس پر انہیں ٹوکا تو شاہ عنایت نے انہیں شاہجہاں آباد چلے جانے کا حکم دیا اور خود پرگنہ بھورہ میں غازیاہ کے کنارے موضع جھوک عرف میراں پور میں اپنے مریدین و معتقدین کی ایک جماعت کے ساتھ مقیم ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ شاہ عنایت کی عبادت و ریاضت کی شہرت دور دور پہنچی اور اطراف و اکناف کے لوگ عقیدتمندانہ طور پر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

ان کے عقیدتمندانہ ہجوم کو دیکھ کر آس پاس کے دو حلقوں میں رقابت کی آگ بھڑک اٹھی ان میں سے ایک حلقہ اطراف و جوانب کے زمینداروں کا تھا اور دوسرا آپ کے قریب کے موضع بلڑی کے سادات کا گروہ تھا جن کی پیری مریدی اور عقیدتمندی کا فروغ شاہ عنایت کی وجہ سے کم ہوتا جاتا تھا اور ان کے مریدین و معتقدین شاہ عنایت کے حلقے میں شامل ہوتے جاتے تھے جس کی وجہ سے یہ سادات بلڑی شاہ عنایت سے سخت ناراض تھے۔ ٹھٹھے کے قریب بکیرا میں شیخ فاضل شاہ قریشی کی اولاد میں سے شاہ سراج الدین نے پیری مریدی کو دنیاوی جاہ و حشمت سے ملا لیا اور بادشاہ کے دربار میں بڑا مقام حاصل کر لیا۔ دہلی کے دربار میں رسائی حاصل کرتے

Gul Hayat Institute

کے بعد انہوں نے شاہ عنایت کے خلاف جنگ شروع کرانے میں پہل کی۔

"تحفۃ الاکرام" میں انفرادی طور پر بھی ان اشخاص کے نام دیئے ہیں جنہوں نے شاہ عنایت کے خلاف مغل ناظم ٹھٹھہ کے پاس شکائتیں کیں۔ ان میں بلڑی کے سادات میں سید عبدالواسع بن سید عبدالغنی بن سید عبداللہ لعل بن سید دین محمد بن سید عبدالکریم تھے دوسرے نور محمد بن منبہ بن رادہ بن بالو بلیجانی زمیندار بلیجا پورا اور تیسرے حمل بن لاکھا بن حمل بن لاکھا جَت زمیندار تھا (زمینداروں نے سیدوں کے صلاح مشورہ سے شاہ عنایت سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی) لیکن سادات بلڑی مخالفت میں سب سے زیادہ سخت تھے۔ جس زمانے میں شاہ عنائت کے خلاف شکایت پیش ہوئی اس زمانے میں ٹھٹھے کا مغل ناظم لطف علی تھا۔ اس نے سادات بلڑی کی جنبہ داری میں بغیر تحقیقات کے حکم دے دیا کہ وہ صوفی شاہ عنایت اور ان کے مریدوں سے خود نپٹ لیں ان لوگوں نے لطف علی کا اشارہ پاکر شاہ عنایت کی خانقاہ پر حملہ کر دیا۔ اس میں خانقاہ کے بہت سے درویش شہید ہوئے ان بے گناہوں کے ورثا نے جب استغاثہ کیا تو حکومت کی جانب سے قاتلوں کی زمینیں مقتولوں کے ورثا کو دلا دی گئیں، تحفۃ الاکرام کے مطابق پھر کتنے ہی غریب اور دوسرے لوگ ہندوستانی عمّال (حکومتِ دہلی) کے مظالم سے بھاگ کر فقیروں کے دامن عاطفت میں آباد ہو گئے۔

۱۱۲۸ھ/۱۷۱۶ء میں لطف علی خاں کی جگہ نواب اعظم خاں ٹھٹھے کا ناظم ہو کر آیا۔ تحفۃ الاکرام کے مطابق ایک بار پھر سارے منحوس پڑوسیوں نے ٹھٹھے کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا کر اور فقیر (شاہ عنایت) کی بغاوت کا خدشہ ظاہر کر کے شاہی دربار سے ان کی بیخ کنی کا حکم جاری کرا لیا اور پھر سندھ کے سارے پرگنوں کی فوجیں جمع کر کے

Gul Hayat Institute

ان پر چڑھ آئے۔ مولانا قدوسی لکھتے ہیں " وہ (نواب اعظم خان) شاہ عنایت کے دشمنوں کی باتوں سے متاثر ہو کر ان کی امداد کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے شاہ عنایت کی مخالفت میں ان زمینوں کے محصول جو خانقاہ کے متصل تھیں اور جن کے محصول معاف ہو چکے تھے، بحال کر دیئے اور ادائیگی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ شاہ عنایت نے جواب دیا کہ جب یہ محصول بادشاہ (محی الدین فرخ سیر) کی جانب سے معاف ہو چکے ہیں اب ہم سے کیسے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اعظم خاں اس جواب پر برہم ہو گیا اور اس نے مرکز میں لکھ بھیجا کہ صوفی شاہ عنایت اور ان کے مرید سرکاری محصول ادا نہیں کرتے آن سے بغاوت کی بو آ رہی ہے وہاں سے حکم ملا کہ اس فتنے کو روکا جائے۔ اس حکم کے ملنے پر اعظم خان نے اپنی فوج کے علاوہ یار محمد خاں کلہوڑا اور دوسرے رئیسوں کے نام احکام جاری کیئے کہ وہ بھی مدد کے طور پر اس فوج میں شریک ہوں۔ اس فوج نے صوفی عنایت کی خانقاہ پر حملہ بول دیا۔ پہلے تو پورے چار ماہ یہ فوج شاہ صاحب کی خانقاہ کا محاصرہ کیئے پڑی رہی۔ شاہ صاحب کے فقیر راتوں میں اس فوج پر شب خون مارتے تھے۔ اس طرح اعظم خاں کی فوج کے بہت سے آدمی مارے گئے اور وہ تباہی کے قریب جا پہنچے تھے۔

مقالات الشعراء میں ہے کہ ۱۸ ذیقعد ۱۱۲۹ھ/ ۳۱ر اکتوبر ۱۷۱۷ء کو جنگ کا آغاز ہوا۔ درویشوں کا طریقہ یہ تھا کہ رات کے وقت تلواریں لے کر نکلتے اور محاصرہ کرنے والوں پر شب خون مارتے اس طرح اعظم خان کی فوج کے بہت سے آدمی مارے گئے صوفی شاہ عنایت نے درویشوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ وہ حملہ کرتے وقت نعرے بالکل نہ لگائیں اور حکم دیا تھا کہ جب تک تم خاموشی سے حملے کرتے رہو گے تمہیں کامیابی ہو

ئی۔ اتفاق سے ایک دن شب خون کے موقع پر ایک درویش کا پاؤں لکڑی سے ٹکرایا۔ اس کے منہ سے بے اختیار اسم ذات زور سے نکلا جو ان لوگوں کا عام دستور تھا دوسرے درویشوں نے بھی یہ نعرہ سن کر نعرے لگانے شروع کر دیئے اس طرح مخالفوں کو شب خون مارنے والوں کا پتہ چل گیا اور انہوں نے باقاعدہ تیاری کے ساتھ جنگ شروع کر دی اگرچہ درویش کمزور ہو گئے لیکن باقاعدہ جنگ ختم نہیں ہوئی اور درویش فوج پر حملے کرتے رہے۔

آخر اعظم خاں نے میاں یار محمد خاں کلہوڑا اور میر شہداد بلوچ کی وساطت سے فریب سے شاہ عنایت کو صلح کی پیش کش کی (۹ صفر ۱۱۳۰ھ یکم جنوری ۱۷۱۸ء) کہ درویشوں کے جان و مال کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ معاہدہ صلح ہوا جس کے بعد صوفی شاہ عنایت اعظم خاں کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ صلح نامہ ایک دھوکا تھا۔

اعظم خاں نے شاہ صاحب کو گرفتار کر کے پوچھا کہ بتاؤ تم نے شورش کیوں برپا کی تھی۔ شاہ عنایت نے جواب دیا۔

آں روز کہ توسن فلک زیں کردند
آرائش مشتری ز پرویں کردند
ایں بود نصیب ما ز دیوانِ قضا
مارا چہ گنہ قسمت ما ایں کردند

نواب اعظم خاں کے ایک مصاحب محمد رضا نے اس کے جواب میں کہا۔

دوست بیدار بشو عالم خواب است ایں جا
حرفِ بے ہودہ مگو پائے حساب است ایں جا

Gul Hayat Institute

شاہ عنایت نے فوراً جواب دیا کہ :

در کوئے نیک نامی مارا گزر نہ دادند
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

اعظم خاں نے کہا کہ اب اس کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

شاہ عنایت نے جواب میں فرمایا کہ محب حق کے لئے سزا وہی حیثیت رکھتی ہے جو سونے کے لئے آگ۔

اعظم خاں نے کہا کہ تم نے بدنامی کیوں مول لی اور تبر بلا کا نشانہ کیوں بنے۔

شاہ عنایت نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اعظم خاں نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ تم نے بادشاہ کی فرمانبرداری سے باہر قدم کیوں رکھا حالانکہ قرآن میں اول الامر کی اطاعت کا حکم ہے۔

شاہ عنائت نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

ما مریداں رو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں
رو بسوئے خانۂ خمار دارد پیرِ ما

نواب اعظم خان نے کہا اب آرزوؤں میں ناکام ہونے پر غمگین ہونے سے کیا نتیجہ ؟

شاہ عنایت نے جواب میں یہ شعر پڑھا

من ازاں دم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

Gul Hayat Institute

نواب اعظم خاں نے شاہ عنایت کو قید میں ڈال دینے کا حکم دیا۔شاہ عنایت نے اس حکم کی بے تکلف تعمیل کی اور یہ شعر ان کی زبان پر تھا

ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک برسر کن غم ایام را

۱۵ صفر ۱۱۳۰ھ ۷ جنوری ۱۷۱۸ء کو شاہ عنایت کو شہید کیا گیا۔ آخری وقت میں یہ شعر شاہ صاحب کی زبان پر تھا۔

رہانیدی مرا از قید ہستی
جزاک اللہ فی الدارین خیرا

تلوار گردن پر پڑی تو چار تکبیریں کہہ کر واصل حق ہوئے۔

نواب اعظم خاں پہلے ہی ملک میں غلہ گراں ہونے کی وجہ سے بدنام تھا شاہ عنایت کی شہادت نے اسے اور ملک میں روسیاہ کر دیا جس کی وجہ سے وہ ٹھٹھے کی حکومت سے معزول ہوا۔

شاہ عنایت کی شہادت کا واقعہ حضرت سچل سرمستؒ کی پیدائش سے بائیس برس پہلے پیش آیا۔ اگرچہ سچل سرمستؒ کا علاقہ بکھر کے ناظم کے تحت تھا اور یہ واقعہ ٹھٹھہ کی نظامت کا تھا مگر اس واقعہ نے بنیادی طور پر علمی اور فکری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ سچلؒ کے زمانے میں بھی اس کو بے پناہ حیثیت حاصل رہی۔ شاہ عنایت کی شہادت کے واقعہ کو سندھ کی سیاسی، مذہبی اور ادبی دنیا میں اہم مقام حاصل ہے اور سچلؒ سمیت تمام معروف شاعروں کی ذہنی ساخت اور تخلیقی افتاد میں یہ واقعہ اہم کردار ادا کرتا نظر آتا ہے۔

Gul Hayat Institute

سچلؒ کی پیدائش سے صرف چھ برس پہلے نظامت بکھر کے موضع کھہڑا میں دوسرا واقعہ پیش آیا جہاں ایک معروف مذہبی گھرانے کے بزرگ مخدوم عبدالرحمٰن کو ان کے دو سو بائیس ساتھیوں کے ساتھ میاں نور محمد کلہوڑا کے لشکر نے مسجد میں شہید کر دیا۔ مخدوم رحمٰن حیدرآباد کے قریب پہاڑی کلور والے سیدنا ابراہیم شہید کی اولاد میں سے تھے۔ مخدوم امیر احمد اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے "تحفۃ الاکرام" کے حواشی کے مطابق مخدوم رحمٰن ایک جید عالم، صاحب کرامت بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ مخدوم غلام محمد بگائی جن کے منظوم معجزے اور میلاد آج بھی عام طرح گا کر روحانی سرور حاصل کیا جاتا ہے یہ داستان سندھی زبان میں نظم کی ہے اور یہ (مخدوم عبدالرحمٰن کی شہادت کے متعلق نظم) میاں غلام محمد بگائی کی سندھی کے نام سے سندھ میں مشہور ہے۔

کلہوڑا خاندان کے بزرگ ابتدا میں صوفیا کی حیثیت سے تاریخ سندھ میں متعارف ہوتے ہیں مگر بعد میں انہوں نے مذہبی اور روحانی رشتے چھوڑ کر حکمرانی کا راستہ اختیار کیا۔ سچلؒ کے دونوں ممدوح شاہ عنایت اور عبدالرحمٰن کھہڑا کی شہادت کلہوڑوں کے ہاتھوں ہوئی۔ شاہ عنایت اور جنگ جھوک کے بارے میں مولانا غلام رسول مہر کی تاریخ سندھ عہد کلہوڑا میں میاں یار محمد کلہوڑا کا اپنا بیان ہے۔

"میں اور نواب اعظم خاں دریائے اوتھل سے گذر کر جھوک پہنچے چونکہ قلعہ کے گرد گہری خندق کھود رکھی تھی اس لئے لشکر کو جھوک کے نصف کوس پر ٹھہرایا گیا تھا۔ ذیقعد کو سواروں اور پیادوں کے ساتھ خندق کے ارد گرد کے علاقے کا چکر لگایا اور شاہ عنایت کے مقابلے کی ہمت نہ پڑی۔

اگلے دن اتوار کو جب صبح ہونے میں تقریباً ایک پہر باقی تھا۔ شاہ عنایت

Gul Hayat Institute

کی فوج کے ایک ہزار استرہ پیادے شب خون کی غرض سے آئے۔ ہمارے لشکر کے بھی چند آدمی مارے گئے لیکن بہادروں نے مفسدوں کو تلوار پر رکھ لیا۔ بہت تھوڑے سے لوگ جان سلامت بچا سکے۔ باقی سب تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔

مقتولین میں اکثر بہنوار جو قاسم ولد کہرام اور سید کے ساتھ تھے، وکیل ٹھٹھہ اور احمد بوبکانی اور اس کے دونوں بھائی اور اوڈھیجہ قبیلے کے لوگ اور دوسرے زمیندار جو اپنے آپ کو اس کے زمرۂ فدایان میں شامل کئے ہوئے تھے۔

مولانا مہر نے گلدستۂ نورس بہار کے اسی خط سے ایک اور اقتباس دیا ہے جو اعجاز الحق قدوسی کی تاریخ سندھ جلد دوم میں شامل ہے۔

" داؤد خاں عباسی سخت بیمار ہے امید ہے کہ خدا کی رحمت سے شفا پائے انہوں نے تلوار کے پانچ چھ زخم چہرے پر اور جسم کے دوسرے حصوں پر کھائے۔ اس جنگ میں میاں داؤد کے علاوہ ان کے بھائی میاں غلام حسین نے نیز خدا یار خاں کے بھائی میر محمد خاں نے بڑی بہادری دکھائی اور سب نے کم و بیش زخم کھائے خط کے آخر میں ہے کہ " ابھی جنگ باقی ہے انشاء اللہ مفسد کو عنقریب اس کے عمل کا بدلہ ملے گا۔"

سچل کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے اور ان کی زندگی کے دوران تاریخ سندھ کے اہم واقعات کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ سچل کی منصور حلاج سے لے کر سرمد شہید تک اور شاہ عنایت اور بلھے شاہ سے وابستگی کے ساتھ ساتھ فرید الدین عطار، مولانا روم اور مولانا جامی سے وابستگی کے اسباب کی جڑیں یہیں کہیں ہیں۔ کلہوڑوں کے پہلے باقاعدہ حکمران میاں یار محمد کے اٹھارہ سالہ دور حکومت میں جھوک شریف کی

Gul Hayat Institute

جنگ ہے۔ باقی عرصہ اس نے عیش و آرام میں گذارا۔ جھوک کی جنگ اس کی زندگی کے آخری سالوں میں ہوئی۔ اس کے بعد میاں نور محمد کلہوڑا ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء میں مسند نشین ہوا۔ اسے اپنے بھائی داؤد خاں کی طرف سے خطرہ تھا مگر اسے اس نے معرکہ آرائی سے پہلے رام کر لیا اس زمانے میں دہلی میں محمد شاہ تخت نشین ہو چکا تھا۔ میاں نور محمد نے فرمانبرداری کی عرضداشت بھیجی۔

میاں نور محمد کی پہلی جنگ شکارپور کے داؤد پوتروں سے ہوئی۔ جنہیں میاں نور محمد نے سندھ سے نکال دیا اور وہ پنجاب کے علاقوں ملتان، بہاولپور، پاکپتن وغیرہ میں جا بسے سابق ریاست بہاولپور کا قیام بھی انہی داؤد پوتروں کا مرہونِ منت تھا پھر قلات کے بروہیوں سے جھگڑا شروع ہوا۔ جنڈھیر کی جنگ میں بروہیوں کو شکست ہوئی۔ نور محمد کے دونوں بیٹوں کی شادی عبداللہ خان بروہی کی بیٹیوں سے ہوئی۔

جس سال درازا میں سچل سرمستؒ پیدا ہوئے اسی سال ۱۷۳۹ء نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کر دیا۔ دہلی میں قتل و غارت اور لوٹ مار کے بعد جب وہ کابل واپس پہنچا تو اس نے میاں نور محمد کے نام کابل سے حکم بھیجا کہ وہ کابل میں حاضر ہو۔ مگر میاں نور محمد خود کو دہلی سے وابستہ سمجھتا تھا۔ اس نے اس فرمان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی نادر شاہ کو جب اندازہ ہوا کہ نور محمد نے اس کے حکم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تو وہ سندھ پر حملے کے لئے بجلی کی طرح کڑکا اور طوفان کی طرح روانہ ہوا۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے کشتیوں کے ذریعے فوج ڈیرہ غازیخاں پہنچائی۔ وہاں میاں نور محمد کو طلب کیا لیکن میاں نور محمد نے جواب نہیں دیا۔ نادر شاہ نے لاڑکانہ روانہ ہونے سے پہلے لاہور کے گورنر ذکریا خان کو خط لکھا کہ "ہمارا ارادہ ہے کہ اس مرتبہ ہم موسم سرما سندھ میں گذاریں اور وہاں کے...

Gul Hayat Institute

شرپسندوں کو تنبیہہ کریں۔ ہمارا لشکر ان کا تعاقب کرتا ہوا دریائے سندھ کو عبور کرے گا لیکن اسے سلطانی علاقے (محمد شاہ کے علاقے) میں مداخلت نہ سمجھا جائے۔ تم تیار اور مستعد رہو اور ضرورت پڑنے پر لاہور سے ملتان پہنچ جاؤ اور وہاں ٹھہر کر مفروروں کے راستے روکنے کا انتظار کرو۔ ذکریا خاں نے یہ فرمان دہلی بھیجا وہاں سے حکم آیا کہ نادر شاہ کے فرمان کی پوری پوری تعمیل کی جائے۔

نادر شاہ کے حملے کا سنا تو میاں نور محمد اپنا دارالحکومت خدا آباد چھوڑ کر سارا ساز و سامان لے کر عمر کوٹ روانہ ہو گیا تاکہ نادر شاہ کی نظر نہ پہنچ سکے۔ نادر شاہ فروری ۱۷۴۰ئہ کو لاڑکانہ پہنچا۔ میاں نور محمد کے فرار کی اسے اطلاع مل گئی۔ نادر شاہ سواروں کا دستہ لے کر نور محمد کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ شہداد پور پہنچا تو نور محمد کی طرف سے اسے تحائف ملے مگر نادر شاہ مطمئن نہ ہوا اور عمر کوٹ پہنچ گیا جہاں میاں نور محمد نے سوا کروڑ روپیہ نادر شاہ کو دیا۔ نادر شاہ نے نور محمد کی حکومت بحال کر دی۔ نادری حملے سے سندھ کو سخت نقصان پہنچا۔ نادر ملک کی ساری دولت ہی نہیں لے گیا بلکہ اس نے سندھ کے کتب خانے بھی لوٹ لئے اور سندھ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ سبی اور کچھی والئ قلات کو دیے۔ شکارپور صادق محمد خاں داؤد پوترہ کو اور باقی سندھ میاں نور محمد کو۔

نادر شاہ نور محمد کے دو بیٹے مرادیاب خان اور میاں غلام شاہ کو بھی ساتھ لے گیا۔ بعد میں تیسرا بیٹا عطر خاں بھی وہاں چلا گیا۔ یہ سب نادر شاہ کے قتل تک وہیں رہے۔

نادر شاہ ۱۷۴۷ء میں قتل ہوا۔ سچلؒ کی عمر اس وقت آٹھ برس کی تھی۔ نادری حملے نے سندھ پر جو اثرات چھوڑے تھے۔ ان کا اندازہ قاضی عبدالقادر ٹھٹوی کے

Gul Hayat Institute

سب ذیل قطعہ تاریخ سے ہوتا ہے۔

فتنہ نادر چوں بروں شد زمیاں
راحت آمد بہمہ عالمیاں
خوش خبر ہاتف فرمود زغیب
"محو شد آفت نادر زجہاں"

۱۱۶۰ھ

پنجاب میں نادر شاہی حملے کے بارے میں پنجابی کے متعدد شاعروں کے ہاں حوالے موجود ہیں اور نجابت نے تو ایک پورا جنگ نامہ تحریر کر دیا ہے۔ سچل ؒ کے ہاں نادر کا لفظ ظالم کے مفہوم میں بارہا آیا ہے۔

نادر شاہی ظلم وستم کا دور ختم ہوا تو احمد شاہ ابدالی کے حملے شروع ہو گئے پہلا حملہ ۱۷۴۹ء میں پنجاب پر ہوا۔ میاں نور محمد سے خراج تو مل رہا تھا۔ مگر کسی بات پر ناراض ہوا۔ اور ۱۷۵۲ء میں جب سچل سرمستؒ کی عمر چودہ برس تھی۔ احمد شاہ ابدالی سکھر کے راستے سندھ آ گیا۔ میاں نور محمد کے سفیر دیوان گدومل نے احمد شاہ ابدالی کو رام کیا۔ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۰ء میں پانی پت کی جنگ لڑی اور ۱۷۶۳ء میں پھر سرہند تک گیا۔ بہرحال سندھ اب دہلی کی بجائے کابل کے تابع رہا اور کلہوڑے کابل والوں کی بالادستی مانتے رہے۔

احمد شاہ ابدالی کی سندھ پر یلغار کے وقت میاں نور محمد نے وہی طریق اختیار کیا جو نادر شاہ کے حملہ کے وقت کیا تھا یعنی دار الحکومت سے نکل کر جیسلمیر کی مشرقی جانب چلا گیا۔ جہاں ۹ر دسمبر ۱۷۵۳ء کو وفات پائی۔ بہرحال میاں نور محمد کے عہد میں کلہوڑا کے

Gul Hayat Institute

مخدوم عبدالرحمٰن کو میاں کی فوج نے شہید کیا۔

میاں نور محمد کا جانشین اس کا بڑا لڑکا محمد مرادیاب خاں ہوا، مگر قید ہوا، قید میں مرا۔ اس کے دو بیٹے اس کے بھائی غلام شاہ کے عہد میں قتل ہوئے۔ مرادیاب خاں کے بھائی محمد عطر خاں نے احمد شاہ ابدالی سے سندھ کی حکومت کی سند حاصل کر لی۔ اس کے دوسرے بھائی احمد یار خاں نے غلام شاہ کے خلاف عطر خاں کی حمایت میں لشکر تیار کرنا شروع کر دیا۔ غلام شاہ مجبوراً جیسلمیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ عطر خان کے مظالم، غفلت اور بدمزاجی کی وجہ سے رعایا چیخ اٹھی۔ لوگوں نے میاں غلام شاہ کو واپس بلایا۔ جسے اب بہاولپور کے نوابوں کی حمایت حاصل تھی۔ دونوں فریقوں کی فوجوں میں روہڑی کے باہر نہر امرکس کے کنارے خونریز جنگ ہوئی۔ عطر خاں اور احمد یار خاں ہار گئے۔ غلام شاہ جیت گیا مگر عطر خاں نے افغانوں کی مدد سے پھر غلام شاہ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ آخرش سندھ تینوں بھائیوں میں تقسیم ہو گیا۔ ٹھٹھہ وغیرہ غلام شاہ کے حصے میں آیا مگر پھر جھگڑا ہوا۔ آخر احمد یار اور عطر خاں ملک چھوڑ کر چلے گئے اور غلام شاہ کا پورے سندھ پر قبضہ ہو گیا۔ مگر افغان دربار سے اسے سندِ حکومت نہیں ملی تھی، اوباڑو میں اس کی بہادر خاں سے پھر جنگ ہوئی۔ جو عطر خاں کی مدد کر رہا تھا۔ ۱۷۶۱ء میں میاں غلام شاہ کو کابل کے دربار سے حکومت کی سند مل گئی۔

۱۷۶۰ء میں کچھ کے راجہ لاکھا کے بیٹا سے جارہ پہاڑ پر میاں غلام شاہ کی جنگ ہوئی۔ جس میں سردار میر بہرام تالپور نمایاں ہوا۔ جنگ میں راؤ کچھ کو شکست ہوئی۔ صلح کی شرط کے مطابق راؤ کی بہن کی شادی غلام شاہ سے ہونا تھی۔ مگر راؤ بعد میں منحرف ہو گیا۔ غلام شاہ نے ۱۷۶۲ء میں پھر حملہ کیا۔ راؤ ہار گیا اور اپنی چچازاد بہن کی

شادی غلام شاہ سے کر دی۔ ۱۷۶۷ء میں احمد شاہ ابدالی نے میاں غلام شاہ کے حسن انتظام سے خوش ہو کر ڈیرہ غازیخان اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کا انتظام بھی میاں کے سپرد کر دیا بعد میں ملتان کی حکومت بھی میاں غلام شاہ کے نام کی گئی۔

میاں غلام شاہ کے عہد میں انگریزوں نے سندھ میں قدم جمانے شروع کر دیئے یوں تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا جہاز ۱۶۱۳ء میں دیبل کی بندرگاہ میں آیا تھا۔ ۱۶۳۵ء میں ٹھٹھہ میں انہوں نے پہلی کوٹھی قائم کی۔ تاکہ قلمی شورہ خرید کر یورپ بھیجا جائے۔ ۱۶۹۲ء میں یہ کوٹھی بند کر دی اس کے پچانوے برس بعد پھر انگریزوں نے سندھ میں از سرنو تجارت کی ضرورت محسوس کی اور ۱۷۵۸ء میں میاں غلام شاہ کی اجازت سے کوٹھی قائم کی۔ مقصد قلمی شورے کی تجارت تھا۔ ۱۷۶۱ء کو انگریزوں کو قلمی شورے کی تجارت کا اجارہ مل گیا۔ میاں غلام شاہ نے انگریزوں کو تجارت میں بڑی مراعات دی تھیں۔ مگر انگریزوں نے خود غرضیوں سے کام لینا نہ چھوڑا۔ میاں نے جب کچھ کے حملے کے موقع پر امداد کے طور پر اسلحہ کا ایک جہاز مانگا تو انگریزوں نے صاف انکار کر دیا کہ کچھ کے راؤ سے ہمارے تعلقات خوشگوار ہیں۔ اس لئے ہم جہاز نہیں دے سکتے۔ میاں غلام شاہ کا ایک آدمی علی نواز خاں بہت سا سامان لے کر سورت فرار ہو گیا۔ میاں نے اس کی گرفتاری کے لئے انگریزوں سے مدد چاہی لیکن انگریزوں نے کوئی مدد نہیں کی۔ ایک بار انگریزوں سے کہا کہ دس ہزار گولے مناسب نرخ پر بنوا دیں۔ مگر انگریزوں نے ٹال دیا۔ میاں غلام شاہ کے دربار سے وابستہ گلاب رائے ایسے لوگ انگریزوں کے اس وطیرے کے باعث ان کے خلاف تھے مگر میاں غلام شاہ نے انگریزی کوٹھی کو بند نہیں کیا۔

Gul Hayat Institute

میاں غلام شاہ کا ۱۷۷۲ء میں انتقال ہوُا۔ جب کہ سچل سرمست کی عمر اس وقت اکتیس برس تھی۔ اب غلام شاہ کا لڑکا میاں سرفراز خاں تخت نشین ہوُا۔ اس نے جنگ جارہ کے ایک ہیرو میر بہرام خاں تالپور کو دھوکے سے بلوا کر قتل کرا دیا۔ عوام میں میاں سرفراز خاں کے خلاف نفرت اور حقارت بڑھ گئی۔ ادھر میر بہرام خاں کے عزیزوں اور بلوچوں نے انتقام لینے کا ارادہ کر لیا۔ میر فتح خاں نے جو میر بہرام خان کا چچازاد تھا۔ خدآباد پر حملہ بول دیا۔ سرفراز بھاگ نکلا اور حیدرآباد کے قلعہ میں جا چھپا۔ میر فتح خاں یہاں بھی پہنچ گیا۔ سرفراز قید ہوُا اور کنجیاں فتح خاں کو دینی چاہیں۔ مگر اس نے کہا کہ ہمارا سردار میر بجار خاں مکہ سے واپس آئے گا تو جو چاہے گا کرے گا۔ سرفراز کو بعد میں آخری کلہوڑہ حکمران میاں عبدالنبی نے قتل کرا دیا۔

میاں سرفراز کے بعد اس کے چچا غلام نبی کو حکمرانی کے لئے چنا گیا۔ میر بجار حج سے واپس جہاز کراچی آیا اور قلات کے حاکم محمد نصیر خاں کے پاس گیا۔ نصیر خان نے اسے کلہوڑوں سے انتقام لینے کے لئے کہا اور فوج کی مدد کی پیش کش کی، مگر میر بجار نے کہا کہ وہ اپنے ملک میں خانہ جنگی نہیں چاہتا اور یکہ و تنہا وہاں جائے گا میر بجار سندھ پہنچا تو سبھی عزیز و اقارب اس کے باپ میر بہرام خاں کی تعزیت کے لئے آئے اور کلہوڑوں کے مظالم کی تفصیل بیان کر کے حملہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر میر بجار خانہ جنگی نہیں چاہتا تھا۔ تاہم غلام نبی نے اسے ایک خط میں لکھا کہ وہ سندھ میں کیوں آیا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اس پر میر بجار خاں نے عمر کوٹ کا قلعہ کھوسہ قبیلے سے لے لیا۔

تعلقہ شہداد پور کے علاقہ لانیاری میں میاں غلام نبی اور میر بجار خاں کے

Gul Hayat Institute

درمیان جنگ ہوئی۔ میاں غلام نبی نے میر بجار خاں سے صلح کے لئے قرآن کریم دے کر ایک شخص کو بھیجا مگر خود اس کے وزیر تاجہ لیکھی کو اس کا علم ہو گیا اور اپنی تلوار سے میاں غلام نبی کو قتل کر دیا تاجہ لیکھی خود بھاگ گیا۔ میر بجار نے غلام نبی کی نعش احترام کے ساتھ حیدر آباد بھجوادی۔

اس وقت حیدر آباد میں میاں نور محمد کا چھوٹا بھائی عبدالنبی تھا۔ سرفراز خاں اس کا بیٹا محمد خاں، بھائی محمود خان اور چچا عطر خاں قلعے میں بند تھے۔ چنانچہ اس خیال سے ان قیدیوں کے ہوتے ہوئے اس کا حکمران رہنا مشکل ہے۔ اس نے سب کو قتل کروا دیا۔ گویا کلہوڑہ خاندان کے پانچ افراد کو بیک وقت حیدر آباد میں دفن کیا گیا یوں عبدالنبی حاکم ہوا۔ میر بجار سرفراز کو حکمران دیکھنا چاہتا تھا مگر مجبوراً اسے عبدالنبی کو مخدوم نوح ہالائی کے مزار پر دستار باندھنا پڑی اور ملک کا انتظام میر بجار خان نے خود سنبھال لیا۔

اس اثنا میں احمد یار خاں کا بیٹا عزت یار خاں افغان لشکر کی مدد سے سندھ پر حملہ آور ہوا۔ لکھی اور شکار پور کے درمیان میر بجار کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ افغان لشکر بھاگ گیا۔ عزت یار خاں شکارپور کے قلعہ میں محصور ہو گیا۔ ادھر افغانستان کے بادشاہ تیمور شاہ نے برہم ہو کر سندھ پر حملہ کر دیا۔ میر بجار عبدالنبی کے ساتھ ردھڑی پہنچا اور تیمور شاہ کو صفائی پیش کی اور تیمور شاہ مطمئن ہو کر واپس چلا گیا۔ میر بجار نے سندھ میں نظم و نسق کو بہتر بنایا لوگوں کو امن نصیب ہوا۔ مگر اسی اثنا میں راجا جودھپور کے دو دکیلوں نے سفارتی نمائندوں کے روپ میں آکر میر بجار خان کو قتل کر دیا۔ افواہ یہ تھی کہ عبدالنبی نے یا اس کی ماں نے میر بجار خاں کو قتل کرایا ہے۔ چنانچہ میر بجار خاں کے

Gul Hayat Institute

بیٹے میر عبداللہ خاں کی دستار بندی کے فوراً بعد میاں عبدالنبی کے دل کا چور جاگا اور اس خیال سے کہ میر عبداللہ خاں اس سے انتقام لے گا وہ سندھ چھوڑ کر قلات روانہ ہو گیا۔

میر عبداللہ نے عبدالنبی کو پیغام بھیجا کہ وہ واپس آجائے کیونکہ اس نے اپنے خاندان میں کوئی ایسا نہیں چھوڑا جسے حاکم بنایا جائے مگر عبدالنبی نہیں آیا چنانچہ میر عبداللہ نے اسی خاندان کے ایک فرد صادق علی خاں کو تخت پر بیٹھنے پر راضی کر لیا۔ صادق علی خان کا شعار فقر و قناعت تھا۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ مغرب سے عبدالنبی والئی قلات میر نصیر خان کی مدد سے حملہ آور ہو رہا ہے اور مشرق سے جودھپور کا راجہ بجے سنگھ ___ میر عبداللہ نے میر فتح علی خاں، فتح خان، میر سہراب خان (بعد میں خیر پور کا حاکم) اور سلطان جنگ سے مشورہ کیا اور سب سے پہلے جودھپوریوں کے مقابلے کا فیصلہ ہوا۔ جودھپور والوں سے مقابلہ ہوا تو وہ پہلے روز ہی سارا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

دوسری طرف سے میاں عبدالنبی اور والئی قلات میر نصیر خاں کی فوج حملہ آور ہوئی۔ میر عبداللہ اور صادق علی خاں نے اسے پل چاہلک کے قریب عبرتناک شکست دی۔ عبدالنبی کابل میں تیمور شاہ کے پاس پہنچا، جس کا ایک سردار مدد خان پٹھان پہلے ہی سندھ کے علاقے کی طرف جا رہا تھا۔ عبدالنبی اس کے پاس پہنچا۔ مدد خان پٹھان کے بارے میں مولانا اعجاز الحق قدوسی "تاریخِ سندھ" میں لکھتے ہیں: "مدد خان کیا تھا سندھ کے لئے ایک عذاب تھا جو اس کی ہی صورت میں نازل ہوا وہ جس طرف سے بھی گذرا، آبادیوں کو تہ تیغ اور ویران کرتا ہوا چلا گیا۔ لوٹ مار میں اس کے لشکر کا یہ حال تھا کہ وہ لوٹا ہوا بوریا بھی نہ چھوڑتے تھے۔ اس ظالم نے پورے سندھ کو خاک سیاہ کر کے برابر کر دیا اس کے فوجی بے حق لوگوں کو مارتے تھے۔ جدھر سے بھی اس کی فوج گذری۔ آبادیاں ویرانوں

میں تبدیل ہوتی چلی گئیں"۔

اہلِ سندھ کی پکار پر میر عبداللہ نے فتح خاں، میر فتح علی اور میر سہراب خان سے مشورہ کیا کہ اب مدد خاں سے جنگ کرنی چاہیئے۔ فتح خان نے انکار کیا تاہم دوسرے جنگ کے لئے تیار ہوئے اور روانہ ہو پڑے، میر فتح خان کو بعد میں احساس ہوا اور وہ بھی ان سے مل گیا مگر کہا کہ میر عبداللہ جنگ میں پہل نہیں کرے گا، جب فریقوں کی فوجیں قریب پہنچیں تو مدد خاں کا خط میر عبداللہ کو ملا کہ ہم صرف عبدالنبی سے اس کا خزانہ نکلوانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ تیمور شاہ کے حکم کے مطابق عبدالنبی سے خزانہ نکلوا کر چلے جائیں گے ہم آپ سے نہیں لڑنا چاہتے' فتح خاں نے کہا ٹھیک ہے، میر عبداللہ نے مدد خان پٹھان کو لکھا کہ آپ دریا کے راستے خدا باد چلے جائیں اور میں عمر کوٹ جا رہا ہوں۔

مدد خاں پٹھان نے خدا باد پہنچ کر عبدالنبی سے کہا کہ وہ حسب وعدہ خزانہ دے عبدالنبی نے اپنے آدمی چاروں طرف دوڑائے کہ رعایا میں سے جن لوگوں کے پاس جو کے برابر سونا چاندی ہو وہ بھی لوٹ مار کر کے لے آئیں۔ چنانچہ ایک ایک آدمی کے لئے دو دو سو آدمیوں کی گردن ماری گئی دوسری طرف مدد خاں کی فوجوں نے سندھ کو اس قدر مفلس اور قلاش کر دیا کہ کسی کے بدن پر کپڑا چھوڑا نہ کسی کے سر پر پگڑی رہنے دی۔

میر عبداللہ ان مظالم کی رُوداد سُن کر پھر عمر کوٹ سے آیا اور مدد خان سے کہا کہ وہ حسب وعدہ چلا جائے، یہاں پھر فتح خاں، فتح علی خاں، میر سہراب خان اور میر عبداللہ کا اختلاف ہوا۔ فتح خاں کو اپنی صلح پسندی کی وجہ سے مدد خان پٹھان سے تکلیف اُٹھانا پڑی، میر عبداللہ خان لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔

Gul Hayat Institute

اس اثنا میں مدد خاں خداباد سے روہڑی پہنچ چکا تھا۔ جب فتح خاں اس کی قید سے فرار ہوگیا تو اسے یقین ہوگیا کہ اب میر عبداللہ اور یہ سب مل کر اس سے جنگ کریں گے میر عبداللہ نے اسے چیلنج بھیج دیا جس پر مدد خاں پٹھان اسی روز دریا کو عبور کر کے افغانستان چلا گیا۔ اور میاں عبدالنبی کو بے یار و مددگار چھوڑ گیا۔

میاں عبدالنبی کی ریاہ بازیاں نہ گئیں۔ نواب بہاولپور کے ذریعے میر عبداللہ سے صلح کی اور دونوں خداباد میں رہنے لگے ایک روز میاں عبدالنبی نے میر عبداللہ اور میر فتح خاں کو جو اس کے دربار میں تھے گرفتار کر لیا اور قید کر دیا۔ ایک صبح جب یہ دونوں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے تو میاں عبدالنبی کے حکم سے ان کے سر گردنوں سے الگ کر دیئے گئے قرآن ان کے خون سے گلنار ہو گئے۔

اب بلوچ سرداروں میر فتح علی خان، میر سہراب خان، میر ٹھارو خان اور میر غلام علی اللہ یار خاں نے اپنے ان عزیزوں کا انتقام لینے کی تیاریاں شروع کیں۔ ہالا ئی میں جنگ ہوئی اور میاں عبدالنبی کو شکست ہوئی (۱۱۹۶ھ) وہ بھاگ کر والی قلات کے پاس پہنچا اور پھر بروہیوں کی امداد سے دریائے سندھ کے کنارے تک آیا، ادھر جودھپور کی فوج سے بھی کہا گیا کہ وہ میروں پر حملہ آور ہو، مگر ان کی شرط تھی کہ عبدالنبی جب دریا عبور کر لے گا تو وہ پھر پیش قدمی کرے گی۔ مگر بروہی میاں عبدالنبی سے ناراض ہو کر اور سندھ کے مغربی کنارے لوٹ مار کر کے واپس چلے گئے۔ میاں عبدالنبی پھر خوار ہوا۔ اسی اثنا میں میر فتح علی خاں نے حیدرآباد کو فتح کر لیا مگر اسے افغان دربار سے حکمرانی کی سند نہیں ملی تھی۔ میاں عبدالنبی پھر افغان بادشاہ تیمور شاہ کے پاس پہنچا۔ تیمور شاہ نے سندھ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ کی حکمرانی عبدالنبی

Gul Hayat Institute

کو اور دوسرے کی میر فتح علی خاں کو دے دی اور میاں عبدالنبی کو افغان فوج کے ہمراہ بھیج دیا۔ مگر میر فتح علی خاں فوج کی بھاری تعداد کے ساتھ جب روہڑی کی طرف روانہ ہوا تو افغان فوج ڈیرہ جات سے ہی واپس چلی گئی۔ میر فتح علی خاں کو دربار کابل سے پورے سندھ کی حکومت تفویض ہوئی۔ (۱۱۹۹ھ)

کچھ عرصہ تالپور میر یکسوئی سے حکومت کرتے رہے۔ پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا میر رستم خاں چپکے سے فتح آباد سے نکلا اور روہڑی پہنچ کر خیرپور ریاست کی بنیاد رکھ دی۔ میر ٹھارو خان شاہ بندر میں ریاست بنا بیٹھا۔ افغان دربار نے اس تقسیم کو مان لیا اور تینوں میروں کی طرف سے خراج کی رقم علیحدہ علیحدہ قبول کی جاتی۔ میاں عبدالنبی نے میروں کے اختلاف کے باعث موقع غنیمت جانا اور پھر تیمور شاہ سے فوج کی امداد حاصل کر کے اسی بنا پر حملہ آور ہوا اور خیرپور کے میر سہراب خان نے اسے میر فتح علی خاں کے مقابلے میں حمایت کا یقین دلایا ہے، ۱۲۰۲ھ بمطابق ۱۷۸۸ء جب سچل سرمست کی عمر تقریباً پچاس برس تھی، افغان لشکر ملتان کو زیر کرتا بہاولپور پہنچا جہاں امیر محمد بہاول قلعہ میں گوشہ گیر ہو گیا۔ دو ماہ تک افغان لشکر احمد خاں نورزئی اور بوستان خان کی سربراہی میں رعایا کو لوٹتا رہا اور رعایا بے پناہ مفلس ہو گئے۔ افغان لشکر خیرپور کے قریب پہنچا تو انہوں نے میر سہراب خان کو اپنی مدد کے لئے کہا۔ میر سہراب خان نے میر فتح علی خان کو قرآن مجید پر عہد لکھ دیا کہ میں حملہ آوروں سے جنگ کے لئے تیار ہوں آپ کے لئے چشم براہ ہوں۔ ادھر افغان لشکر روہڑی سے ہالہ کنڈی تک پہنچ گیا۔ میر فتح علی کو تیمور شاہ کا پیغام دیا گیا کہ وہ سندھ کی حکومت چھوڑ کر چلا جائے۔ میر فتح علی خان نے اہل و عیال کو کچھ اور جیسلمیر بھیجا اور خود مقابلے کے لئے

Gul Hayat Institute

نکل پڑا۔ مگر میر سہراب خاں قرآن پر لکھے عہد سے پھر گیا اور قلعہ شاہ گڑھ میں جا بیٹھا۔ میر فتح علی خاں صرف دس ہزار فوج کی مدد سے چالیس ہزار افغانوں سے ٹکرایا اور افغان شکست کھا کر بھاگ نکلے۔

تیمور شاہ اس شکست کے بعد جوشِ انتقام میں خود مدد خان پٹھان کے ساتھ والیٔ قلات میر نصیر خان کے لشکر کی مدد سے بہاولپور کے داؤد پوتروں اور سندھ کے میروں سے انتقام لینے کے لئے آیا۔ تیمور شاہ نے پہلے بہاولنگر پر قبضہ کیا اور پھر بہاولپور میں تباہی پھیلائی۔ بہرحال میر فتح علی خاں کے سفیروں نے صلح صفائی کا راستہ نکال لیا۔ تیمور شاہ یہیں سے واپس ہوگیا۔ میاں عبدالنبی اکیلا رہ گیا وہ بہاولپور میں قلعہ ڈیراوڑ میں امیر بہاولپور کا مہمان ہوا۔ ۱۷۹۳ء میں تیمور شاہ کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ زمان شاہ تخت نشین ہوا۔ زمان شاہ سے عبدالنبی کی نہ بنی۔ عبدالنبی نے ۱۸۰۵ء میں راجن پور میں انتقال کیا۔ یوں سندھ میں کلہوڑوں کا عہدِ حکومت ختم ہوا۔

اب حیدرآباد پر میر فتح علی خاں، میر غلام علی خاں، میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان چار بھائیوں کی حکومت "چار یاری" کے نام سے قائم ہوئی۔ ان کے والد کا چچیرا بھائی میر سہراب خاں ریاست خیرپور کا حاکم ہوا اور میر فتح خاں کا بیٹا میر ٹھارو خاں میرپور خاص کا حاکم ہوا۔ ان تینوں میں مرکزی حیثیت حیدرآباد کو حاصل تھی اور تینوں میں گہرا اتحاد تھا۔ اس عہد میں سبزل کوٹ کا علاقہ نواب بہاولپور سے کراچی کا والیٔ قلات سے، شکارپور افغان حاکموں سے، لکھپت اور بست راجہ بھوج سے اور عمرکوٹ اور ریگستان مہاراجہ جودھپور سے واپس لیا۔

Gul Hayat Institute

۱۸۰۳ء میں میر غلام علی خاں اور میر ٹھارو خان کے درمیان جنگ ہوئی، ۱۸۰۲ء میں حیدرآباد کے میروں اور انگریزوں کے درمیان "ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی فوجی مدد" کرنے کا معاہدہ ہوا جب کہ افغانستان کے حاکم زمان شاہ نے میران حیدرآباد کو انگریزوں سے تعلقات منقطع کرنے کے لئے کہا تھا۔ بقول اعجاز الحق قدوسی "یہ معاہدہ پہلا بنیادی طوق تھا جو سندھ میں انگریزوں کی غلامی کا پڑا۔" نومبر ۱۸۲۰ء میں انگریزوں اور میر کرم علی خاں اور میر مراد علی خاں کے درمیان طے پایا۔

ادھر کابل میں شجاع الملک ۷-۱۸۰۶ء میں تخت نشین ہوا اور میرانِ سندھ سے خراج حاصل کرنے شکارپور آیا۔ میروں نے خاصا خراج دیا واپس چلا گیا۔ پھر خراج نہ ملنے پر ۱۱-۱۸۱۰ء میں شکارپور تک آیا، میرانِ سندھ نے پھر فرمانبرداری کا معاہدہ کیا اور خراج دیا۔ لاہور میں سکھوں کی برتری قائم ہوئی۔ میرانِ سندھ نے ان کو بھی تحفے تحائف بھیجے اور انگریزوں سے معاہدہ دراصل رنجیت سنگھ سے بچنے کی ایک کوشش تھی۔ اسی اثنا میں شجاع الملک، سردار عظیم خاں سے شکست کھا کر شکارپور پہنچا۔ چنانچہ سچل سرمستؒ کی زندگی کے آخری دموں تک سندھ میں شجاع الملک جوابی کارروائی کے لئے، سردار عظیم خاں میروں سے خراج لینے، رنجیت سنگھ ایک دھمکی کے طور پر اور انگریز اس ساری صورت حال میں سبھی مقامی قوتوں کو نیچا دکھانے کے لئے سرگرم عمل رہے، شاہ شجاع کچھ عرصہ درازا شریف میں بھی مقیم رہا جہاں سچلؒ بقید حیات تھے۔ شاہ شجاع خیرپور کے میر رستم علی خاں کے پاس اپنا سامان بطور امانت رکھ کر جیسلمیر کے راستے لدھیانے (انگریزوں کے پاس) پہنچا۔ اسی زمانے میں سندھ میں سید احمد شہید بریلوی کے مجاہدین آنا شروع ہوئے۔ یہ سارا دور خاصی افراتفری اور لوٹ مار کا دور ہے اور اس دور میں

Gul Hayat Institute

سچل سرمست کو جو کچھ نظر آرہا تھا وہ یہ تھا۔

مڪ ٻيڙي ڏٺم موج ۾ تنهن ۾ مير ملاح
مڇيون مارن اوچتو ٻانڪا بي پرواه
لهر بحر جا حاڪم جاڻي شوريا وتن شاه
هند ۽ سند ني فلڪ نه آڻن مارن مُلڪ سپاه
وائڙا رکن تن مٿا ويچارا ويساه
آسرا اٿين جا آهن منجهه الله
ڏئي پاند پناه رکي وڻندو راج کي

ترجمہ: میں نے بیچ دریا ایک کشتی دیکھی جس میں ماہر ملاح سوار تھے۔ یہ لوگ خود کو سمندر کا حاکم سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس قدر بہادر تصور کرتے ہیں کہ ہند اور سندھ ان کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ انہیں اپنے آپ پر بہت فخر ہے اور خود کو بادشاہ سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بہت ہی مکار اور دغاباز ہیں اور جب انہیں موقع ملتا ہے تو وہ مچھلیاں شکار کرنے یعنی دوسروں کا مال ہڑپ کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے۔ افسوس سادہ لوح لوگ ان پر بڑا ہی اعتماد رکھتے ہیں۔ تاہم انہیں (مقامی لوگوں کو) اللہ پر اعتماد ہے۔ وہ انہیں ان (فرنگیوں) ظالموں کے ظلم سے بچائے رکھے گا۔

Gul Hayat Institute

جھوک شریف والے شاہ عنایت اور کھہڑا کے مخدوم عبدالرحمٰن شہید کے حوالے سے سندھ کی مذہبی فضا اور کلہوڑوں، میروں، مغلوں، انگریزوں، افغانوں اور سکھوں کے حوالے سے سیاسی فضا میں سچل سرمستؒ (وفات ۱۸۲۶ء) نے ہر چند

گوشہ گیر فقیر کی حیثیت سے دن گذارے مگر خود کو ان حالات سے الگ تھلگ نہ رکھ سکے شاہ لطیف بھٹائی کی شاعری میں ان کے عہد کی سیاسی اور مذہبی تصویر براہ راست حوالوں سے نہیں ابھرتی مگر سچلؒ کے ہاں ہر شے شیشہ ہو جاتی ہے۔ منصوری روایت کی پیروی میں وہ موجود کی نفی کرتے رہے۔ قاضی علی اکبر درازی "سچل سرمست، شاعر ہفت زبان" میں لکھتے ہیں۔

"سچل نے جب منصوری نعرہ بلند کیا تو علمار نے ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا اور سرمستؒ کے پاس آئے ان کو تنبیہہ کرنے لگے کہ تم یہ کفر کیوں بکتے ہو۔ سرمستؒ نے ان سے پوچھا کہ اس جرم کی سزا کیا ہے۔ علما نے کہا اس جرم کی سزا قتل ہے۔ سرمستؒ نے علمار سے کہا کہ جس وقت آپ میری زبان سے انا الحق کا نعرہ سنیں مجھے فوراً قتل کر دیں۔ اسی اثنا میں ان پر وجد اور بے خودی کی کیفیت طاری ہو گئی اور ان کی زبان سے انا الحق نکلنے لگا۔ اس لئے علمار نے ان پر تلوار سے کئی وار کئے مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جب حال کی کیفیت باقی نہ رہی تو علمار نے ان کو تمام حقیقت سے آگاہ کیا۔ سرمستؒ نے فرمایا۔ "یہ نعرہ میں نہیں لگاتا بلکہ وہ ذات باری ہی لگاتی ہے"۔

اسی نعرۂ منصوری نے انہیں منصور، سرمد، شاہ عنایت، شاہ شمس سے وابستہ رکھا۔ اسی نعرہ کے باعث فریدالدین عطار، مولانا روم اور جامی ان کے مرشد ہوئے اور اسی باعث انہوں نے پنجابی کے بزرگ شاعر بلھے شاہ کے بارے میں کہا۔

بُلھے کوں بیراگی کیتو اسی جھاں دا شہر قصور

بُلھے شاہ برصغیر پاک و ہند کی کسی بھی زبان کے واحد شاعر ہیں جن کا ذکر سچلؒ نے کمال احترام سے کیا۔ پنجاب میں ان دنوں بُلھے شاہ، علی حیدر، مولوی

لطف علی بہاولپوری اور وارث شاہ کا دور تھا، جو اسی ملک کے تھے، جس پر سچل سرمست گامزن ہوئے اور پنجابی کے یہ شاعر اپنے عہد کی سیاسی ابتری سے سخت پریشان تھے۔ علی حیدر نادر شاہ کے حملے پر ہندوستانیوں کو بے شرم کہہ رہا تھا۔ بلھے شاہ کہتا تھا۔ "بُرا حال ہویا پنجاب دا"۔ وارث شاہ کہہ رہا تھا "احمد شاہ از غیب توں آ پوسی آ ادئے"۔ اور مولوی لطف علی بہاولپوری پنجاب کے حُسن اور سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے "سوہنے دیس پنجاب اُتے ہے پنجتن پاک دا سایہ"۔ طرزِ فکر میں اس اشتراک کے علاوہ سچلؒ اور پنجاب کے ان شاعروں میں لسانی رشتہ بھی تھا۔ کیونکہ جسے سرائیکی زبان کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں رشید احمد لاشاری اپنی کتاب "سچل سرمست" میں لکھتے ہیں۔

"دراصل یہ ایک قدیم مشترک زبان ہے جو مغربی پاکستان کے مختلف اضلاع میں قدیم علاقوں، قدیم شہروں اور قدیم قبیلوں کے نام کی مناسبت سے یاد کی جاتی ہے مثلاً پنجاب میں پنجابی۔ لاہور میں لاہوری، پوٹھوہار میں پوٹھوہاری، ملتان میں ملتانی اور سندھ میں سرائیکی اور دوسرے کئی نام ایک ہی مقامی زبان کے لئے ہیں صرف لب و لہجہ کا فرق ہے"۔ ص ۲۱۶

"پنجاب میں اُردو" کے مصنف پروفیسر محمود شیرانی نے پنجابی زبان کی وسعت پر کافی بحث کی ہے ان کا کہنا ہے کہ "پنجاب ملک کی زبان جس کو آج کل پنجابی کہتے ہیں اس کو امیر خسرو نے لاہوری کہا ہے۔ ابوالفضل اسے ملتانی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یورپ کے مؤرخوں نے اس زبان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ۱۔ مشرقی پنجابی ۲۔ مغربی پنجابی، اور اس طرح انہوں نے مغربی پنجابی کو لہندا (سرائیکی) بھی کہا ہے"۔ ص۲۲

اور بلاشبہ سچل سرمستؒ کی سرائیکی شاعری کا لب و لہجہ وہی ہے۔ جو سلطان باہوؒ، شاہ حسینؒ بُلھے شاہؒ، علی حیدرؒ، مولوی لطف علی بہاولپوری اور سید وارث شاہ کی شاعری کا ہے۔ یہ مغربی پنجابی یا لہندا کے شاعر ہیں۔

پنجابی شعراء سے سچل سرمست کا دوسرا اشتراک ان داستانوں کے ذریعے ہے جو سندھ اور پنجاب یا سندھی اور پنجابی میں بیک وقت مقبول ہیں اور جن پر شاہ لطیف بھٹائیؒ نے بھی طبع آزمائی کی ہے اور سچل سرمستؒ نے بھی۔ ان میں سسی پنوں، ہیر رانجھا ڈھولا مارو یا ڈھول بادشاہ اور سوہنی مہینوال (سوہنی میہار) شامل ہیں۔

سچل سرمست کی اردو شاعری کے بارے میں پیر حسام الدین راشدی کے مقالہ "اردو کا مولد سندھ" میں اردو کے تین ادوار مقرر کیے گئے ہیں۔ پہلا ۱۶۷۰ء سے ۱۷۴۷ء تک جس میں ولی دکنی (۱۷۴۴-۱۶۸۸) شاہ مبارک آرزو (متوفی ۱۷۵۰) شاہ حاتم (۱۷۹۲-۱۶۹۹) مرزا مظہر جانِ جاناں (۱۷۸۱-۱۶۹۸) اور خواجہ میر درد (۱۷۸۴-۱۷۲۰) شامل ہیں جب کہ دوسرا دور ۱۷۴۷ سے ۱۸۴۳ء تک کا ہے۔ اس دور میں برصغیر پاک و ہند میں سودا، میر حسن، میر تقی میر، جرأت، مصحفی، نظیر اکبر آبادی اور رنگین وغیرہ آجاتے ہیں اور سندھ میں میر علی شیر قانع ٹھٹوی، منشی پرس رام مشتری، سید ثابت علی شاہ، شاہو بن روحل فقیر، سچل سرمستؒ، ضیاء الدین ضیاء ٹھٹوی اور نواب ولی محمد خاں ولی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی "تاریخ ادب اردو" جلد اول میں لکھتے ہیں "ان کے (سچلؒ) کلام کا بنیادی موضوع تصوف ہے۔ وحدت الوجود اور ہمہ اوست ان کا فلسفہ حیات ہے۔ عاشقی و درویشی ان کا مزاج ہے۔ ذکر اور بے نیازی ان کے کلام کی جان ہے۔ سچلؒ کا کلام اپنی سادگی جذبہ عشق اور مخصوص

موضوعات کے اظہار کی رچاوٹ کی وجہ سے اردو شاعری کی مخصوص روایت ہی کا ایک حصہ ہے۔ صد ۹۴-۶۶۳۔

جب کہ بی اے بشارت نے اپنے مضمون "سچل سرمست بحیثیت ایک ممتاز اردو شاعر" میں لکھا ہے کہ "اتنا ضرور ہے کہ انہوں نے مختلف موضوعات کو جس انداز میں اپنے کلام میں پیش کیا ہے وہ ان کے ہم عصر اردو شعراء سے قطعی مختلف اور انوکھا ہے انہوں نے شعر و شاعری کی پرانی قدروں اور روائتوں کی تقلید بھی نہیں کی۔"

سچل رح کے سندھی دیوان کے مرتب اور سابق ڈائرکٹر تعلیمات صوبہ سندھ عثمان علی انصاری کا کہنا ہے کہ "سندھ کی ادبی دنیا میں سچل رح ہی ایک ایسا روشن ستارہ ہے جسے زاہدوں کا ایک گروہ محض اس لئے خراج تحسین دینے میں بخل سے کام لے رہا ہے کہ اس طرح ان کے اعتقاد کو ٹھیس لگتی ہے سچل رح کے کلام میں تصوف کی اس قدر لاتعداد خوبیاں موجود ہیں کہ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلم گروہ کے دلوں پر بھی حکومت کرتے ہیں اور لوگ آپ کے کلام سے نہ صرف لذات لسانی بلکہ تاثرات روحانی بھی حاصل کرتے ہیں:۔

کچھ متن اور ترجمہ کے بارے میں

سچل سرمستؒ کی چاروں زبانوں کی شاعری کے سلسلے مندرجہ ذیل کتابوں سے متن حاصل کیا گیا ہے۔

فارسی ـــ (۱) دیوانِ آشکار : سچل ادبی اکیڈیمی لاہور : دیباجہ، پرنسپل مخدوم امیر احمد ۱۹۵۷ء، وہی نسخہ جو خیرپور کے میر علی مراد خان نے پچھلی صدی میں شائع کرایا تھا۔

(۲) دیوانِ آشکار : مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی نمبر 2513-311 VI-۴۱

کتابت : محمد نشان فقیر۔ ۱۴ ارمضان ۱۲۴۴ھ۔ اس نسخہ پر حاجی ڈنل (بندۂ ملتان سکنہ ڈیرہ غازیخان) نے لکھا ہے "ایں کتاب معروف باسم آشکار مصنف سچلؒ بادشاہ ملکیہ میاں نظر محمد میباشد"۔ حاجی ڈنل نے اس نسخے کے خالی ورق پر بلھے شاہؒ کی ایک کافی بھی درج کی ہے۔ جس کا آخری بند ہے۔

بُلھا آیا اوہیں بہانے   حسرت، عبرت تتے تتے خانے
گاہ مستانے گاہ فرزانے   آپ انا الحق پردا   واہ دلبر کیہہ کردا

Gul Hayat Institute

(۳) مثنوی: وصلت نامہ، عشق نامہ، تارنامہ، گداز نامہ، رہبر نامہ، راز نامہ، وحدت نامہ درد نامہ، دیوان خدائی، غزل بحرِ طویل ـــــ مرتبہ: قاضی علی اکبر درازی (روہڑی)۔

سندھی ـــ (۴) رسالو سچل سرمستؒ، مرتب عثمان علی انصاری

سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد (سندھ) ۱۹۵۸ء

(۵) سچلؒ جو رسالو (سندھی و سرائیکی) مرتب رشید احمد لاشاری ۱۹۵۸ء

پنجابی ـــ (۶) سچل سرمستؒ جو سرائیکی کلام، مرتب: مولوی محمد صادق رانی پوری،

سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد (سندھ) ۱۹۵۹ء

(۷) سچل سرمستؒ سرائیکی دیوان، ترتیب ترجمہ: صدیق طاہر

پاکستان فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۸ء

(۸) حضرت سچل سرمستؒ منتخب سرائیکی کلام، ترتیب و تہذیب: محمد اسلم رسولپوری

بزمِ ثقافت ملتان ۱۹۷۷ء

اُردو ـــ متذکرہ بالا نمبر ۶ میں سے۔

دیوان آشکار کے دیباچہ میں پرنسپل مخدوم امیر محمد نے جو مندرجہ ذیل تاثرات دیئے ہیں وہ چاروں زبانوں کے مطبوعہ متن پر پورے اترتے ہیں۔

"و ایں جا باید کہ بصراحت واضح کنیم کہ سچل شاعری را ہرگز بطور پیشہ قبول نہ کردہ و گاہے قلمے بدست گرفتہ، بقوتِ فکر و تخیل شعرے موزوں نمودہ و بہ ترازوئے عروض سنجیدہ، بر کاغذے نہ نوشتہ، و نہ بر اشعارِ خود نظرِ ثانی فرمودہ بلکہ دقتے کہ براہِ حالت جذب و مستی طاری مے شد در آں حالتِ سُکر و بے خودی ہر چہ بر دلِ مبارکش از عالمِ غیب وارد مے شد بہ اظہار آں دریغ نمی فرمود و رفقائے کہ در آں حالت

در محفل او موجود مے بودند آں کلام را قلمبند مے نمودند۔ واز ایں جا است کہ شعر سچل در بسیاری مقامات از قید بحر و وزن آزاد مے نماید و در بعضے جاہا ردیف و قافیہ را ہم خلاف قاعدہ مستمرہ استعمال کردہ و پابندیٔ حرکات و سکنات را نیز التزام نہ نمودہ وفکِ اضافت کہ در شریعت شعرا حکم البغض المباحات دارد او را نیز بآزادی بہ عمل آوردہ و از استعمال الفاظ غریب و غیر مانوس بل از استعمال الفاظ ہندیہ و سندیہ نیز احتراز نہ ورزیدہ۔ گویا کلامش مصداق ”من نمی گویم انا الحق یار مے گوید بگو“ مے ناشد و بعضے از خطاہا را مے توانیم کہ بدذوقی یا کم ذوقی نو پسندگان راجع کنیم۔“

مخدوم امیر احمد نے شائع شدہ سندھی اور سرائیکی کے بارے میں بھی کہا ہے کہ ”در جمع اشعار ہیچ سعی بعمل نیاوردہ۔ این عمل تا حال (۱۹۵۷ء) بموجب مقولہِ سائرہ ”الآن کما کان“ باقی ست۔ شاید بعد ازیں مردے از غیب برون آید، کارے بکند“

سچل سرمستؒ کے کلام کی ترتیب اور صحت کے لئے آج بھی ”مردے از غیب“ کا انتظار ہے مگر اس ضمن میں ابھی تک تو زیادہ بہتری کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ مثلاً صدیق طاہر اور اسلم رسول پوری نے جو انتخاب شائع کیا ہے اس کا متن مولانا محمد صادق رانی پوری کے ایڈیشن سے لیا گیا ہے البتہ صرف یہ تبدیلی کی گئی ہے کہ اصل میں جہاں لفظ ”مینوں“ ہے وہاں اکثر ”میکوں“ لکھ دیا گیا ہے۔ میں نے مولانا محمد صادق رانی پوری کے سرائیکی اور اردو، عثمان علی انصاری کے سندھی دیوان، مخدوم امیر احمد کے دیوانِ آشکار اور قاضی علی اکبر درازی کی مثنویوں کے متن کو ملحوظ رکھا ہے۔ پنجابی کی املا میں بھی ترجمے کی طرح اردو کی املا کے قریب تر رہنے کی کوشش کی ہے اور یہ وہ املا ہے جو شروع سے (اللہ والے کی قومی دوکان) پنجابی کے لئے مناسب تصور کی گئی ہے البتہ جنوبی پنجاب

میں "د" کی جگہ جہاں جہاں "ڈ" کی آواز بولی جاتی ہے۔ وہاں "ڈ" ہی رکھا گیا ہے۔ اسی طرح لفظ "میںڈا" جو پنجاب میں ضلع راولپنڈی سے لے کر نیچے رحیم یار خان اور ڈیرہ غازی خاں تک بولا جاتا ہے مزید جنوب میں اس کا نوں غنہ تقریباً غائب ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کی املا "میڈا" کی گئی ہے۔

سندھی سے ترجمہ میرے بس سے باہر تھا مگر معروف سندھی ادیب آغا خالد سلیم نے کمال مہربانی سے مجھے اس فرض سے عہدہ برا ہونے میں ناقابل فراموش امداد دی۔ سچلؒ کے دوہے کی ہیئت البتہ اردو کے لئے اتنی مشکل اور مختلف تھی کہ ترجمہ میں اسے روائتی روپ دینا میرے لئے لازمی ہو گیا، آغا خالد سلیم کے ساتھ ساتھ میں روہڑی کے بزرگ ادیب حاجی علی اکبر درازی صاحب کا بھی ممنون احسان ہوں، جنہوں نے حضرت سچل سرمستؒ کے بارے میں مجھے خاصا مطبوعہ مواد عنایت کیا۔

———— جولائی سنہ ۱۹۸۰ء

Gul Hayat Institute

سچلؒ سرمستؒ کا شجرۂ نسب

حافظ عبدالوہاب سچلؒ بن میاں صلاح الدین بن میاں محمد حافظ عرف صاحبڈنو بن مخدوم عبدالوہاب بن مخدوم محمد حافظ بن مخدوم عبدالوہاب بن مخدوم شرف الدین بن مخدوم موسیٰ بن حافظ علم الدین بن مخدوم شہاب الدین بن مخدوم سلیمان بن مخدوم خواجہ ابوسعید بن مخدوم نورالدین بن مخدوم محمود بن ابوالفتح بن محمد اسمٰعیل بن محمد یوسف بن سلیمان بن محمد بن احمد بن برہان الدین بن عبدالعزیز بن عبدالوہاب بن عبدالمطلب بن برہان الدین بن احمد بن عبداللہ بن یونس بن محمد بن شیخ اسحٰق بن شیخ عبداللطیف بن محمد باقر بن محمد بن شیخ شہاب الدین بن عبدالعزیز بن عبداللہؓ بن عمر فاروقؓ بن الخطاب ۔

(سچلؒ جو سرائیکی کلام)

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

نعت

تعارف

کل نبیاں دا سرتاج محمدؐ
بحرِ عرفت ، امواج محمدؐ
دقابَ قوسین او ادنیٰ
شرفِ شبِ معراج محمدؐ
امت تیری کیوں غم کھاوے
جیں دی تیکوں لاج محمدؐ
سچلؔ کوں غم کوئی ناہیں
کیتا لایحتاج محمدؐ

شمع شباہت رُخ دی ڈِٹھم سُوز گھتیندی شبّی
نا مخلوق سڈیجے اس نوں ، رنگ سمورا ربّی
رومی نہ ایرانی چالے رکھدا عزم ہے عربی
سچلؔ دا وچ ڈوہاں جہاناں مشکل حل مربی

Gul Hayat Institute

کل نبیوں کا سرتاج محمدؐ
بحرِ عرفاں، امواج محمدؐ
قاب قوسین او ادنیٰ
شرفِ شبِ معراج محمدؐ
امت تیری کیوں غم کھائے
اس کی تجھ کو لاج محمدؐ
سچلؔ کو غم کوئی نہیں ہے
کر دیا لامحتاج محمدؐ

شمع شباہت رُخ دیکھی ہوئی روشن تیرہ شبی
کیا مخلوق کہیں اس کو انداز ہیں سارے ربی
رومی نہ ایرانی ڈھنگ ہیں وصف ہیں سارے عربی
دونوں جہاں میں سچلؔ کا ہے مشکل حل مربی

Gul Hayat Institute

وچ درازیں دیرا

ڈاڈا، جان، محمد حافظ وچ درازیں دیرا
دست تہیں. دے اصلوں آہا سارا مقصد میرا
ہادی، مہدی، مرشد میڈا قادریہ ہے کامل
عارف عبدالحق بہر دم نال مریداں شامل
مہدی شاہ مربی میڈا رہبر راہ ڈیندا
حق محقق، مستی مے دی، بے شک اوہ بخشیندا
شاہ عبیداللہ اساڈا، خواجہ پیراں پیراں
آلِ نبیؐ اولادِ علیؓ ہے حضرت میراں میراں
ڈاڈا اس دا غوث الاعظمؒ مرشد کلُ اولیاواں
قدم مبارک ہویا تحقیق گردن سبھ سرتاجاں
کوئی اور نہ سجھدا میکوں آپے آہا ظاہر
اللہ نور السمٰوات والارض اوہی منظر ناظر
ولقد کرّمنا بنی آدم و کلنا ھم فی البرّ والبحر
سچو ہر دم حاضر

Gul Hayat Institute

شہر درازا ڈیرا

دادا مرا محمد حافظ، شہر درازا ڈیرا
ایک اسی کا فیض ہے سارا جو ہے حاصل میرا
ہادی مہدی مرشد میرا قادریہ ہے کامل
اس کے مریدوں میں ہے عارف عبدالحی بھی شامل
مہدی شاہ مربی میرا رہبر راہ دکھائے
حق محقق، مستی مے بھی وہ بخشے بخشائے
شاہ عبیداللہ ہمارا، خواجہ پیراں پیراں
آلِ نبیؐ اولادِ علیؓ ہے حضرت میراں میراں
اس کا دادا غوث الاعظمؒ مرشد سب ولیوں کا
اس کے پاؤں میں رُلتے دیکھا تاج اور تخت شہوں کا
اللہ نور السموات والارض ہے سارا ظاہر
اس بن کوئی نہیں ہے وہ خود منظر ہے خود ناظر
ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر
سچو ہر دم حاضر

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

سندھی

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

وحدت

اَدل پيري پَچ ، جي بَند خيالات جا،
نَنهِن پِچاتا وَڄُ ، حَلاّجِي حيرت ۾،

پُني ءَ ڄَڄَ نه ڄُل، مَنجهه تماشي نه پوين
گهوٽ ڪَري تون پاڻ کي ، ڪر هَنگامان هُل،
پول نه ٻَي ڪنهن پُل، وَنج حال حَلاّجَ جو

"تون" هي سان "تون" لِپين "مان" لِپان "تو" سان،
"تون" "هي" "آءُ" سڀهين، "لا" ۾ موجودات ئي،

بيرنگي ءَ مون رنگ ، پَسو جو پيدا ٿيو،
ظاهر ۾ پيو زَنگُ ، موسيٰ ءِ فرعون َجو

Gul Hayat Institute

بندھن خام خیال کے اپنے پہلے توڑ
من میں اپنے ڈال لے، حیرت پھر حلاجؒ کی

جنج پرائی میں مت چل، نہ بن کوئی تماشہ
دولہا بن بارات کا، ڈال دے اِک ہلچل
راہیں باقی سب دلدل، رستہ بس حلاجؒ کا

"تُو" کو ڈھونڈوں "میں" کو ڈھونڈوں پاؤں "تو" ہی "تو"
"تو" اور "یہ" اور "میں" سب دیکھوں لا میں تھے موجود

بے رنگی کے جائے رنگ ہیں، دیکھ فرق ہے کیا
موسیٰ اور فرعون کے سنگ ہیں، ظاہر میں ہیں جدا

Gul Hayat Institute

تَرَن جا پاتين موج سامــتر پاڻيءَ مِهراڻ ٿي ؛
هي اُنهن جا اوج ، جن سنبت سوريءَ پارڏي

دين ڪُفر دِل دام، ڏچ مٽيوئي مـوج ۾ ؛
تنهن ڪان پوءِ حُڪام، هر ڪنهن هنڌ تنهنجو هَلي

سوز گدازءِ غمُ ، ميٽيوئي معافي ٿيو ؛
مار دما مين دَم ، عاشِق "انا الحق" جو

جاڻ نه تفاوتُ ، عبدءِ اللهَ جو ،
سو آهي اَمرتُ ، هِي پِي ڏون نه اُن ڪوَن

جتي ماڻهن ميڙُ آهه ، آءُ تتي ناهيان ،
سي سنباهيان ، پُٺيءَ شاهه حلاج جي

جي مَڃين تا آدمي ، سي نه مَڃان مان
ڪوئي آهيان آن ، جو پانهو ڪنهن جو نه ٿيان

Gul Hayat Institute

تو جانے جو موج ہے وہ تو ہے مہران
سولی ان کا اوج ہے، چلے ہیں مقتل اور

کفر اور دین دلوں کے دام ہیں، یہ موجوں میں ڈال
اس کے بعد ترے احکام ہیں اور دنیا محکوم

سوز و گداز اور درد و الم سے مل گئی ہمیں معافی
عاشق مار انا الحق دم دم نوبت گونجے ایسی

جان نہ کوئی تفاوت عبد میں اور اللہ میں
یہ بھی تو ہے امرت وہ بھی جدا نہیں ہے

وہاں نہیں ہوں میں جس جا پہ ہو رہا ہے ہجوم
کہ میرے سر میں ہیں حلاج کے چمکتے نجوم

وہ مانتے ہیں جسے اپنا راہ نما، راہ بر
نہیں غلام نہ مانوں گا میں اسے دم بھر

Gul Hayat Institute

جهڙديانيم پاڻ کي ، تهڙدآهيان آن ۾؛
باقي رهيو نان ۾ ، ”سچو“ مون صاحب جو

اُهو ويو هاڻي ڪاڏي ، جنهن ”سچو“ سونان ۾ سڏايو!
مُڪتي ۾ منجهون، ني دي ميان، تيورگُل پيدا، دي ميان'
مُنهن ڪري بينو ماڏي .
سُڌ نه پئي، ني دي ميان، طرف اُنهي جي ، دي ميان
جان جُتو ويو جاڏي -
اهو هلي تو، ني دي ميان ، اهو چلي تو، دي ميان
گوشو ڪيو ڏجي ڪاڏي
ڏيهه ڏاڏاڻو، ني دي ميان، اگ ڏنو سي ، دي ميان
يڪ ت ڪئي پڙڏاڏي!
نان ۾ ”سچو ۾“ جو، ني دي ميان، ويو اڏاهين، دي ميان
طلب ڏيئي پي ساڏي

Gul Hayat Institute

جیسا سوچا آپ کو ویسا خود کو پاؤں
پنچھو باقی رہ گیا مجھ صاحب کا ناؤں

وہ جو پنچھو کہلاتا تھا کیا جانیئے اب کس اور گیا
نرم کلی سے پھول بنا اور مجھ کو تکتا رہتا تھا
کوئی خبر نہیں جان اور جسم کو لے کے کون سی سمت گیا
کیسے کنج میں چپ بیٹھا جو چلتا پھرتا رہتا تھا
پنچھو تو اسی سمت گیا جس سمت سے اس کا بلاوا تھا

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

حقیقت

”سَچُو“ سارو سَچ ٿِيو، منجهان ڪثرت ڪُل
الف مُون آدم ٿِيو، ڪري هنگامون هُلَ؛
هندو مومن سو ٿِيو، پول نه ٻيءَ ڪنهن پُل؛
”خَلَقَ الاَشْيَاءَ فَهُوَ عَيْنُهَا“ اِهو آنُ عَمَلُ؛
تَج ڳالهِي ڳُل، مُرمار نئين منصور جان

اَچِي اُٺ ٺَريا ءُ، گهڙيس گهوري جند ڏِي
چڙهيس ڏاڍي چاه مُون، مستي موج مٺا ءُ
ٺرٽ لهي ٺريا ءُ. شرط لنگهي بيس شهَم

Gul Hayat Institute

پنچو سارا سچ ہے کُل کثرت کا رنگ
الف آدم ساز ہے، ہنگامے رنگ برنگ
ہندو مومن، بھول نہ، سبھی ہیں اس کے ڈھنگ
آپ بنائے اور دیکھے، سیکھ اسی کے ڈھنگ
بن جا پھول گلاب کا منصوری تیرا سنگ

جاں بکف کود گیا میں تو سرِ موجِ بلا
مستی و شوق میں اس موج کو بھی زیر کیا
دی کناروں نے صدا، میں سوئے گرداب گیا

Gul Hayat Institute

گهٽن جي گهيڙاءُ، تانگهو عشق تن جو؛
جن کي عشق عَليل ڪيو، سي ايندئون اُوتڙاءُ.
جي سُورَ چکنديُون ساءُ، ميهرُ سي ماڻينديُون

ڪيم مهينالاءِ آءٌ پِلا پيلي آهيان.
اجي آڪڙيُون ڪٺي ”سَچوءَ“ کي سَرچاءِ
جانِي جوڙيم جاءِ، تو لڳـہ آڪڙيُون ٢٣.

مانُ ڪريان تان مشرڪ ٿيان، ڪيان تان ڪافِرُ
اِنهي عَدائي عَدَرُ، ڪو سَمجهي ”سچيڏنو“ چوي

رُوئَنُ ڪان نہ رهن، آيَل اِهي اَکيُون
سيڪنهن ديل وهن، اُٿن اُٿ اُرهيرن جا

Gul Hayat Institute

پیارہ پتن سے آنے والی کا بھی گہرا ہوتا ہے
کود پڑے جو، اس کا پاگل عشق سنہرا ہوتا ہے
مہینوال ملے پر جن کا زخم بھی گہرا ہوتا ہے

میں انجان ہوں جانیا، بولی نہ مجھے مار
ایک نظر اور خوش کر دے تو اپنا سمجھ یار
ان نینوں میں اپنا رتبہ دیکھ لے اے دلدار

چُپ بیٹھوں مشرک کہلاؤں بولوں تو میں کافر ہوں
سچ ڈھونڈ جو بھید کی بات ہے کس کس کو سمجھاؤں

روتے روتے بس نہ کریں اے ماں میرے یہ نین
پل پل ان سے برکھا برسے جیسے ساون رین

Gul Hayat Institute

ڏسڻ ۾ رڳو، اِها عادت آڪين ڪي
سي سر هيُون شال هُجن، جن کي اَٿر او هيرن ڄا

لايون پرت پَسن، اَڳُن آڳم اکين ميڙيا
سي تان ڪِٿُن نه وسن، جن کي اَٿر او هيرن ڄا

اَسان پرين وچ ۾، ڏور وهي درياءُ
ڇُوليُون ڇِران ڏي ڪري، پير و ڇُٽي واءُ
سُڻي آهان آءُ، ميان هِن مُشتاق جُون!

اسان پرين وچ ۾، جَرُ وهي جاري
هِڪڙ ڪو ڪُنن جو پوي، ٻيون ديريُون ڏي واري
هُتَ ساجن ڄاساري، سادهلي ڪين درياءَ ڪوُن،

Gul Hayat Institute

دیکھ دیکھ ساجن کو رو دئیں ڈھنگ ہیں میرے نین کے
شاد رہیں وہ آنکھیں جن کے سارے روپ ہیں ساون کے

پریت لگائیں آنکھیں، دیکھیں ساجن، برسبس پڑیں
یہ ساون سے ملتی ہیں اور ساون برس پڑیں

ندی کنارے ساجن ہے اور بیچ میں ہے طوفان
تیز ہوا، شہ زور ہیں موجیں، کانپے میری جان
ایسے میں میری آہیں سن کر پیا ملو تم آن

اس کے، میرے بیچ میں بہتا ہے دریا
گریں کنارے جس میں، شور مچائے موجِ بلا
ان کو کیسا ڈر جنہیں، ساجن یاد رہا

Gul Hayat Institute

چَرِي چَرِي ۾ چِٽُو، چِريو آهي لوڪُ
جو چَرِيُ لَڌ وتُوڪ، سُو سچو آهه نه سيڪنهين

عاشق مرندا ڪينڪي، رهندا ڪين مڪانَ ۾
ديواني درياه جو، پيتئون پيالو پُر ڪري
اَجر مَنجهه اَمر ٿيا اُهي گَڏيا ڪين جهانَ ۾
غيب ۾ جي غرق ٿِيا، تن گهاو گَرَدَن ۾ لڳا
بولي بولن تا ٻي نڪا، اُهي رَهن ”الاَمانَ“ ۾
ڪيئي پَڙهندي سال ٿيا، روزا نمازون نفل نيِ
تن ڪُنن ڪَل ڪانه ڪا، باطون جيِ بيانَ ۾

Gul Hayat Institute

اس کو پاگل مت کہو پاگل خلقت ساری
اس پاگل کو ملی ہے جو قسمت کہاں ہماری

کبھی نہ آئے موت اس کو وہ رہے مکاں سے دور
اس دریا سے بھرا پیالہ پی بیٹھا دیوانہ
اجر ملا اُسے امر ہوا وہ، رہے جہاں سے دور
تن گردن پر گھاؤ لگے اور غیب میں ہے مستور
ہر دم رہے اماں میں وہ تو حرف و بیاں سے دور
روزے، نفل، نماز گزارتے عمریں بیت گئیں
قتل ہوئے جو وہ تو رہے باطن کے بیاں سے دور

Gul Hayat Institute

چين ولايت گهر ڪري، گهڙي گهارن ڪينڪي
پسن هادي حق کي، رهن ٿا ٻٽيان ۾
هردم آهي دم دوست ڏي، آهي سونهن ٿا سرانجام ۾
سو ”سچو“ ڪي ٻي ملبو، هي گرا ڇي ته گيان ۾

ٿو دوستي ۾ جو دم هڻين، پر ڪين ڪيبي قربان ٿئين
مهند منصوري ۾ جي تون، منجهه معرڪي مردان ٿئين
دري صحي ”انا سره“ تنهين اسم مون انسان ٿئين
جي تو پوي سڌ سورجي، حيرت انهي ۾ حيران ٿئين
نعرو ”انا الحق“ جو هڻين، ته مرد سر ميدان ٿئين
جي دم سچائين پانهنجو، تون دين، تون ايمان ٿئين
”سچو“ ڪايڪ يڪ ٿئين، تون شمع، تون پروان ٿئين

Gul Hayat Institute

ہادیٔ حق لے دشت وبیاباں میں ہی آن ملا
چین، ولائت، دیس بدیس اور شہر گراں سے دور
آخرِ کار گیان میں سچو گورد وہ آن ملا
یاد کیا اسے ہر دم میں نے رہ کے جہاں سے دور

دم مارے یارانے کا پر ہو نہ سکے قربان
رستہ اک منصوری ہے اور وہی ہے مرد کی شان
"اناسرہٗ" کے اسم سے ہوا ہے تو انسان
دکھ سے حیرت ملے کہ جس سے تو ہو گا حیران
آئے اناالحق نعرہ مار کے آئے سرِ میدان
تو جانے جب خود کو تب سے تو ہی دین ایمان
شمع پتنگا جیسے سچو ہو جائیں یک جان

Gul Hayat Institute

سسی پنوں اور ہیر رانجھا وہ ایسے رومان ہیں جو سندھی اور پنجابی کے ادب میں ایک سی حیثیت اور اہمیت رکھتے ہیں۔ شاہ لطیف بھٹائی سے لے کر شیخ ایاز تک ہر ایک کی شاعری میں ان داستانوں کے رنگ دیکھے جا سکتے ہیں۔ بعینہٖ پنجابی میں بھی ان رومانوی داستانوں کی ایک سی حیثیت ہے۔ پنجابی میں چھوٹے بڑے بیسیوں شاعروں نے سسی پنوں پر طبع آزمائی کی۔ سندھی میں سسی کی داستان یوں ہے کہ بھانبر نامی شہر کے کنارے ایک برہمن رہتا تھا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی لیکن خدا مہربان ہوا۔ اس کے گھر میں چاند سی بچی پیدا ہوئی اس بچی کے بارے میں نجومیوں نے بتایا کہ اس کا بیاہ ایک مسلمان سے ہوگا۔ برہمن بہت ناشاد ہوا۔ مجبوراً ایک صندوق میں بہت سا سامان رکھا۔ بچی کو بھی بند کیا اور صندوق ندی یا نہر میں بہا دیا۔ بھنبھور شہر میں ایک لاولد دھوبی محمد عرف لالا رہتا تھا۔ اس کے کارندوں نے بہتا صندوق پکڑا، اور مالک کو پیش کر دیا۔ محمد نے اس بچی کو اپنا لیا جوان ہوئی تو محمد نے جو یقیناً امیر آدمی تھا۔ سسی کے لئے محل اور باغ بنوایا۔ سسی کے حسن کا شہرہ عام ہوا۔ بھنبھور اور ٹھٹھہ تجارت کا مرکز تھے۔ تجارتی قافلے سسی کے حسن کی تعریف کیچ اور مکران کے ساحلوں تک لے گئے جہاں کے حاکم آری جام کا بیٹا پنوں تاجر کا بھیس بدل کر بھنبھور پہنچا۔ سسی نو وارد تاجر سے مشک و عنبر خریدنے گئی کہ یہ قافلہ اپنے ساتھ خوشبوئیں لایا تھا۔ سسی اور پنوں کے عشق کا آغاز ہوا۔ محمد نے پنوں کو آزمایا کہ اسی کی برادری کا ہے دونوں کی شادی ہو گئی اور دونوں بھنبھور میں رہنے لگے۔ پنوں کے باپ آری جام تک بات پہنچی تو اسے شہزادے کی حرکت سے صدمہ ہوا۔ اس نے اپنے تینوں بیٹوں چندد، ہوتی اور نوتی کے ساتھ اپنے آدمی بھنبھور بھیجے۔ جنہوں نے دام فریب بچھایا اور ایک شب پنوں کو نشہ آور دوائی پلا کر اونٹوں پر ڈالا اور کیچ کی طرف بھاگ نکلے۔ سسی پر پہلی صبح فراق طلوع ہوئی اور پنوں کی تلاش میں تھلوں اور پہاڑوں سے گذرتی "پب" (پالس بیلہ) کی وادی تک پہنچی۔ وہاں ایک چرواہے نے اسے ہوس کا نشانہ بنانا چاہا، سسی نے خدا سے دعا کی۔ زمین شق ہوئی اور سسی اس میں سما گئی۔ کیچ میں پنوں ماہیٔ بے آب تھا۔ باپ سے یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ پنوں کو بھنبھور سے سسی کو لانے کی اجازت مل گئی۔ پنوں تیز رفتار اونٹ پر سوار ہوا۔ آئی صورت بھنبھور کی طرف چلا مگر راہ میں وہ مقام آ گیا جہاں سسی زندہ دفن ہوئی تھی۔ اس کے دوپٹے کا پلو قبر سے باہر رہ گیا تھا۔ پنوں نے آسمان کی طرف دیکھا، دست دعا اٹھایا۔ سسی کی قبر شق ہوئی اور پنوں بھی اسی قبر میں سما گیا۔

Gul Hayat Institute

سنّی

ويُم لا لَنُ لوءِ، هيءَ اٽا سي ننڊ ۾
پَلي ءَ هيٺن نه پانيٺو، پيو پر وڙڻ پوءِ
هوتُ وتم جي هوءِ، تا سُک گذاريون ڏينهڙا

منهن ڏيئي آيام، جبل جهاڳڻ ڪيچ جا؛
طعنا تهمت لوڪ جا؛ سر چڪا چايام
پَٽ پَلي ءَ پايام، سِهرا سُور پرين جا

لخين ڏيئي لت. پاڻ ئي ڪريان پڌرو
سار وِندر وُ ڙيان، جيڏيون ڪارڻ جت
منهنجي ڪا مصلحت، هيءَ هو ٻڌايٺ ۾؟

ڪري سات سوال، ته ڪيچن جي ڪاڪَل ڏيو

Gul Hayat Institute

میں تھی ابھاگن سوتے میں مجھے لالن چھوڑ گیا
ڈھونڈوں گی ان پاؤں کے نقشے مجھ کو خبر تھی کیا
ہوت جو ہوتا پاس تو جیون سُکھ سے دیتی رہتا

پیچ کی راہ میں کیسے کیسے پربت آتے ہیں
کیا کیا تہمت اس برہن پر لوگ لگاتے ہیں
لیکن دُکھ پریتم کے مجھ کو سُکھ بن جاتے ہیں

پربت پربت پاؤں دھروں وہ روپ دکھاؤں میں
وندرنک اس جت کی خاطر ڈھونڈتی جاؤں میں
ہوت سبھا میں ذکر ہو میرا یہ سُن پاؤں میں

چھوڑ گئے ہو مجھ کو پیچھے کیچیو! سُنو سوال

Gul Hayat Institute

جا چنڊياٽون ڇپر ين، موتڻ تنهن مجال
ڀِي ڀِيَ آڏياڻي ءَ ڏي، هٿڙا ٽيڙم حال
سنڌي هِن سنياال، ڪا هٽي هوتياٽين ۾؟

راتو ڏينهان رت، اوتڻ آيم اُن ڏي؛
آئيل عشق عليل ۾، شال نه پوي قَطُ؛
جبل سڀ جهاڳيِ وڃي، جيڏيون ڏسان جتَ؛
هِن مٽي ءَ جومَت، پوي مذڪور پِرين ۾؛

گوندر گذاريام، سي تان پلا ڏينهڙا
سي ڪنهن ساعت سپرين، ٿي صحي ساريام؛
هي ڪشالا ڪاريام، ساعت هڪ سهڻ جي

ڪوڙين قرباني، ٿيان هوت پنهون ءَ تان
ساهه سري صدقي ڪريان، سندن مهماني.

Gul Hayat Institute

ڈھونڈنے نکلوں میں محبوب کو ہے یہ مجھے مجال
اُس آری بن دیکھو آ کر مجھ پر پڑا وبال
ہوت کی محفل میں کہتا ہے میرا بھی کوئی حال؟

اس بن میں تو خون کے آنسو روتی ہوں دن رات
ڈرتی ہوں اس روگی عشق میں ہو نہ شک شبہات
پربت پربت روند کے جاؤں جت سے ہو ملاقات
اسی بہانے مجھ موئی کی چھیڑے وہاں پر بات

دُکھ میں جو بھی دن گذرے وہ سُکھ کے تھے ایام
ہر ہر ساعت اس کی یاد میں میں نے کیا بسرام
اِک ساعت مری آنکھ لگی، اسی کارن ہے کہرام

ہوت پنوں پر لاکھوں بار میں ہو جاؤں قربان
صدقے کر دوں ہر اک سانس کو وار دوں اس پر جان

Gul Hayat Institute

هي جوبن جواني، تي اَچي ٿي گذري،

جهبل جالون جال، سو مون ڏٺڙن نه ٿئي
وڏا وڻ وڻڪار جا، ڪافي ڪوهه ڪشال
هي مون ڏسي حال، ٻارو چئو ٻيا جهه ڪري

هڻن دم آدي آئُ، ناهيم حال هلڻ جو
مون نماڻيءَ ڪان ءُ، هي تر ٿيليون نه ٿئي

پهه سند ٿيو ڏور، رهبر ٿي ءُ رُڃن ۾،
ون ويچاري ءَ مُور، هي تر ٿيليون نه ٿئي

جي هيءَ ڪميڻيءَ ڪل، تا صبح ويندو ساٿڙو
تان مون نتجن مهل، پُرزا پُرزا پاڻ ڪيو

ڏکن منجهان سُک، مُون تا لڌا جيڏيون
ڏوربندي ڪي ڏک، سُونهان ٿيڙا سجڻان

Gul Hayat Institute

یہ جوبن، یہ بھری جوانی، اس بن، بس گذران

پربت پربت اس کو ڈھونڈوں یہ میری تقدیر
دور دلدار کی چھاؤں ہے ابھی کوہ کی ہے تعزیر
مہر کرے شائد وہ دیکھ کے حال میرا دلگیر

اٹھتا نہیں اس دشت میں اب ایک قدم بھی
آ ری تو چلا آ تجھے ڈھونڈے ہے نمانی

دور دیس ہے تیرا، ساجن مجھ کو راہ دکھا
بھٹک رہی ہوں ویرانوں میں مجھ کو پار لگا

جو میں کمینی جانتی، جائیں گے یہ کل
پرزہ پرزہ کر دیتی میں خود کو ہی اُس پل

سکھیو میں نے ہر ہر دکھ میں پایا ہے اک سکھ
تب پریتم کو جان گئی جب ڈھونڈن نکلی دکھ

Gul Hayat Institute

ڪن سهانگا سُک، جي ساري عالم آئيا
ڏور مهانگا ڏک، جي ورتا ور هم وارئين

سينديون جي سُکن، تنين گوندر گهوريا
ڏنم ڪاڻ ڏکن، هي سِرُ سارو سَٽ ۾

سُکيون ڪوه پُڇن، سنديون ڏکن خبران؟
سي هِن وهاڻِ وِڄن، ڏيل ڏڪا بل جن جا

گوندر ڪيئن گهوريان، جنهن ڪيس سيندي سڄڻين
جان تِڪ پيئي تو ريان، تان ڏک موچارا سُک کَئون

جي گوندر گوش نه ڪن، کهه پيون سي سرتيون
جَن سنگت ساڻ سُکن، سي پاڻون هوت پري ٿيون

گوندر گهمي جي لهان، تان سُک سَوين سارئيان
آئي پُڻ ڪيئن پاڙيان، ڏک سکن سان سرتيون

Gul Hayat Institute

سب عالم کو ملتے ہیں یہ سستے سستے سُکھ
پربت کے ماروں کو ملتے ہیں ڈھونڈ کے مہنگے دُکھ

بھاگیں دُکھوں سے دیکھو یہ سُکھ کی داشتائیں
چولھے میں سر دیا ہے ہم نے کہ دُکھ کمائیں

سُکھ والی کیوں خبریں پوچھیں جن کی دکھ ہیں گدڑے
ہم نے تو سُکھ جان کے پہنے اپنے جسم پہ دکھڑے

جس دُکھ سے مجھے پیا ملا وہ کیوں کر دوں قربان
دُکھ سُکھ پاس جو رکھ کر دیکھوں دُکھ کی اور ہی شان

بھاڑ میں جائیں وہ سکھیاں جو سنیں نہ دکھ کی بات
جن کی سنگت سکھ سے ہے کبھی ہوں نہ ہوت کے ساتھ

ڈھونڈوں اور جو دُکھ مل جائیں سُکھوں کو آگ لگاؤں
دُکھ سُکھ کیسے ایک سے جانوں، سکھیو، کیا سمجھاؤں

Gul Hayat Institute

ڄڻين گوندر گوش، آءٌ گهٽو تَن نهاريان
ڄال اُنهن ۾ جوش، سدا آهي سرتيون

سُکن واريون سَوَ، ڪا ڪا وره وارثي
تَرت انهيءَ کان تَوَ، پڳيون آتڻ واريون

آتڻ واريون آئيون، ٿيون آتڻ اُجاڙيون
جي گوندر گذارين، آتڻُ تن اُوک ٿيو

سارو لوڪ سُکن، پوءِ رهايو پرين ءَ کُون
ڏسو واه ڏکن، هوتَ وهاريو هنج ۾!

منان وساريِن ووءِ ووءِ ڪر وندر ۾
جي گوندر گذارين سي تو ڇُگا ڏينهڙا

گوندر جن گذاريو، ڪاتئون سي لهان؟
هڪڙي رات رهان، وڃي ورهه وارثين

Gul Hayat Institute

ان کو تکتی رہتی ہوں میں جن کی دکھ سے یاری
سکھیوان کا جوش تو دیکھو ہیں ان کے بلہاری

سکھ سے سنگت لاکھوں کی ہے کوئی کوئی دکھیاری
دکھ کی آنچ سے رہ رہ بھاگیں آتن والی ناری

آتن والی آئی ہیں اور کریں اسے اجیارا
دکھیاری کا اس آتن میں کیسے ہو گذارا

سکھ میں رہنے والے لوگ سجن سے رہ گئے دور
ہوت پُنل آغوش میں ان کی دکھیوں کا مقدور

پکارتی رہو وندر میں بھولنا نہ اُسے
جو تیرے غم میں بسر ہوں گے دن وہی ہوں گے

جنہوں نے عمر گذاری ہے درد و غم کے ساتھ
بسر کروں کبھی اسے کاش ان کے ساتھ اک رات

Gul Hayat Institute

ڳوندر جن ڳذاريو، آءُ تنين ڳولي؛
هنيڙي ۾ هولي، هوندي ڏکن وارئين

ڳوندر جن ڳذاريو، آءُ پکي تن پيهي
وتانئُن ويهي، وتان واس ورهه جو

ڳوندر جن ڳذاريو، مُنهن تنين مهتاب
سنديون نيهن نواب، آهن ورهه واريون

ڪيچئون اچي قافلو، مون وٽ ٿيو مهمان
"سچل" ساري ساٿ جو، هو آيا ٿي اڳوان
مولي مهربان، پنڌ رنماڻي ۾ تي ٿيو

ڪيچئون آيو قافلو، رات مرچاري ۾ رهيو
مڙيو ئي خوشبوءِ ٿيو سار شهر پنهور جو

ڪيچئون آيو قافلو، ڪئي ڪٿوري ۾ بار

Gul Hayat Institute

میں ان کی گولی ہوں دکھ میں جو دن گذارتے ہیں
کہ ان کے سینے تو ہولی کا عکس اتارتے ہیں

دُکھ میں عمر بتاتے ہیں جو ان کے جاؤں دوار
دکھ کا باس میں لے لوں ان کے دویں وہاں گذار

دُکھ میں عمر بتاتے ہیں جو منہ ان کے مہتاب
وہ تو عشق کی نگری کے ہیں صاحب اور نواب

کیچ سے آیا قافلہ ہوا میرا مہمان
آرسی ان کا راہ نما آرسی تھا اگوان
کرم نمانی پہ ہوا مولا ہوا مہربان

کیچ سے آیا قافلہ چمکی کالی رات
شہر بھنبھور کو ملی خوشبو کی سوغات

Gul Hayat Institute

کیچ سے آیا قافلہ لایا ہے کستوری

هر ڪنهن هنڌ هُبڪار، ڪيئي ساروشهر ڀنڀو رجو

ڪيچُون آيو قافلو، خوب ٿيس خوشحال
ڇڱو ٿيڙم حال، ڀَسَڻ ساڻ پرين جي

شال نه وسرين هوت، ٻيو سيو مون وسري
مون کي تا ٿئين موت، هٿين آکڙين ۾

ويم نڪري قافلو، هاڻي ڪيئن ڪريان؟
ويني ڏک ڏريان، پرين ري عَ پرڏيهه ۾

ويم نڪري قافلو، ڏاڍو ڏيئي ڏک
ويٺي ساريان سُک، جو هيڪند هيس هوت سان

ويم نڪري قافلو، ڪائي نه پيئي ڪَلَ
سيني اَندرسَل، اَٿم آري عَ جام جا

گهٽا ڏينهن ٿيا، مون ڏوريندي ڏونگرين

Gul Hayat Institute

شہر بھنبھور کو ملی خوشبو کی مجبوری

کیچ سے آیا قافلہ ہوئی ہوں میں خوشحال
دیکھ دیکھ کے ساجنا ہوتی جاؤں نہال

میں نہ بھولوں ہوت کو وہ مجھ کو بھولے
موت سمے بھی آنکھوں میں وہی سجا ہے

نکل گیا ہے قافلہ کیا تدبیر کروں
میں پردیسن ہو گئی بن پیتم دکھ بھروں

نکل گیا ہے قافلہ دے کر مجھ کو دُکھ
یاد کروں میں ہوت کی سنگت کے سب سُکھ

نکل گیا ہے قافلہ میں رہ گئی انجان
آری جام کے عشق سے سینہ لہولہان

پربت پربت تجھ کو ڈھونڈتے کتنے ہی دن گذرے

Gul Hayat Institute

جي مون سڏ ڪيا، سي ٻڌي ٻاروچا ورين

جي مُنهن ٻاروچي ڏسان، تا سَيَٽي ٿِيَنم سُڪ
ڏورٿين مون ڏُک، پَسَڻ ساڻ پرين ءَ جي

مون هَٿان پيٽي، ڏوهُ نه مٿن ڪو ڏيان
حال ڇوان هيٺي، هَلي هو تيا ٿِن ڪي

اٿي ويا اوٺار، ڪٺي ساٿ سويل جو
هاٽي اَديون آئيا، ڏورڻ مون ڏونگار
ٻيا ٻيي هوت هزار، منهنجو ٻيچ پُنهون ءَ سان

منهنجو ٻيچ پنهون ءَ سان، ازل لا ڪون آهه
هاٽي ويهڻ ٿياهه . ٻيينرُ هن ٻنيں رم

ڪريان ڪو ءِ ٻنيورم ، ور ٻنا ويهي
جيهي جي ٿيهي، آءُ تان سندن آهيان

Gul Hayat Institute

میں نے بلوچا تجھے پکارا شاید پلٹ پڑے

دیکھوں مکھ بلوچ کا سب دُکھ ہو جائیں دور
پریتم تجھ کو دیکھ لوں تو سکھ سے ہوں مخمور

یہ میرا ہی دوش تھا اس کا نہیں قصور
کاش اک بار میں ہوت سے حال کروں مذکور

اونٹوں والے لے گئے اپنے سنگ مرا یار
پربت پربت اس کو ڈھونڈے بخت مرا لاچار
مرا یار پنّل تو ایک ہے، باقی ہوت ہزار

روز ازل سے، عشق سے، میرا پنّوں سنگ
سکھیو شہر بھنبھور میں بیٹھوں کیا کُنگ

بن ساجن بھنبھور میں کیسے بیٹھ رہوں
جیسی تیسی ہوں سکھی بس تو پنّل کی ہوں

Gul Hayat Institute

ڪيو ڪميٽيءَ ڪچ، جو سُتي سويلي رهي
اُنهيءَ جي افسوس سين، ڪيو محبت مچ
پنهون جام پرچ، ناميا نما ٿيءَ سان

پنهون پنهون ٿي ڪريان آءٌ پڻ پنهون پاڻ
آڏيون ٽيس اڄاڻ، جو ڪين پروڙيم پاڻ کي

جان پروڙيم پاڻ کي، تا آءٌ پنهون آهيان
ڪنهين طرف ڪاهيان، جو طرف مڙ ٿيو تمام ٿيا

پيهي پروڙيوم، تان پنهون پاڻ ٿي آهيان
پاڻ ٿي منجهان پاڻ کي، هي ئي پڙلاءَ پيوم
صحيح ڪن ڪيوم، ته غير گمان اُٿي ويا

عمر اجائي گذري، ڪارن منيو رنگ
ماڻ نهارڻ نه ٿئي، سانوَل سارو سنگ

Gul Hayat Institute

دوش تھا مجھ کمینی کا میں جو سو رہی
اب پچھتاوا آگ ہے سینے میں بھڑکی
جام پنّوں اسے کاش اب مجھ پر ہو راضی

پنّوں پنّوں کرتی میں تو آپ ہی پنوں ہو گئی رے
سکھیو میں انجان رہی جو خود کو ڈھونڈ نہ پائی رے

کھوج لگایا اپنا، تھا پنّوں ساری اور
ہر ہر سمت میں پنوں ہے کونسی سمت اب اور

ڈوبی اپنے آپ میں، تو میں ہی پنوں تھی
اندر سے آوازیں آئیں میں ان کو تھی جانتی
بیچ سے غیر گمان گیا، آواز کو جب سمجھی

جیون بیتا کالے بالوں نے بھی بدلا رنگ
نہ دیکھوں کہیں اور کو سکھیوں کا نہیں سنگ

Gul Hayat Institute

هِن نماڻي ۽ جرنگ، آهه اوهان تي سُپرين

وِڃي ڪيچ وڻن ۾، ڪامل ٿيئين قرار
ڏيچاري ۾ وسار، جا اجهي آهي آنهِنجي

وڃي ڪيچ وڻن ۾، ٿئين جانب جاءِ
هُوجي ادري ڪيچ ڪَوُن، سي مون لک لنگهاءِ
پنهنجو پاڻ پساءِ، ناته ڀي دوست دم ڏيان

هوجو ڪيچ وڻن مَوُن، اچي واءُ وري،
سو مون کي محبوبن جي، ڏئي خبر ڪري
ويان تام مَري، جان باد ڇي مُنهُن ڏسان

هوجو ڪيچ وڻن مَوُن، وريو اَچي واءُ
ماريون تنهن متاءُ، هي ۽ سِرڪريان صدقي

هوجا ڪيچ وڻن مَوُن، ڀي هير اچي هاڻي

Gul Hayat Institute

سانوَل مجھ نمانی کا پوردے میں پیچو ننگ

تُو تو بیٹھا کیچ میں من میں لئے قرار
جس کو تیرا آسرا اس کو تو نہ بسار

تُو تو سُکھی سُکھی جا کر کیچ میں بیٹھ رہا
کیچ اور مجھ میں پربت حائل ان سے پار لگا
دم توڑوں گی راہ میں ورنہ سُکھ دکھلا

کیچ کے گُل بوٹوں کو چھُو کر جب جب آئے ہوا
محبوبوں کی خیر خبر مجھے دیتی ہے وہ سُنا
سانس نہ نکلے جب لگ سُکھ بلوچ دکھائے آ

کیچ کے گُل بوٹوں کو چھُو کر سکھیو آئی ہوا
ان جھونکوں پہ جان اپنی قربان کروں میں سدا

کیچ کے گُل بوٹوں کو چھُو کر ٹھنڈی آئے ہوا

Gul Hayat Institute

تنهن آريا ڻي آئي، جڻ مون سان اڄ ملايو

هوڄا ڪيچ وڃڻ مؤن، اڃي هيرَ هلي
مهن ساري ڳالهه سلي، پرريان سندي پارجي

هوڄا ڪيچ وڃڻ مؤن، لڳي تيز تنوارَ
سندي پرريان پار، تنهن ڏنا دلاسا دل کي

مارڳُ متاهون ٿيو، مارڳ چڙهي ڪير؟
ساپڇي سات سوير، جائي مارڳَ تي مري

مَلهي مارڳ مرُ، تان تون تنين جي ٿئين
جبل هار نه جرُ، ارتو اکڙ ين مون

مارڳ مرڻ آهه، گهوريو جيڻ جيڏيون
پير نه پوئيون پاءِ، عاشق مرُ اڳي ٿئين

مارڳ مران شال، دعا ڪريجو جيڏيون

Gul Hayat Institute

یوں لگتا ہے آرسی سے مجھے دیا ہے اس نے ملا

سیج کے گل بوٹوں کو چھو کر ٹھنڈی آئے ہوا
اس نے یار کے دیس کی ساری باتیں دیں بتلا

سیج کے گل بوٹوں کو چھو کر آئے تیز ہوا
دے دلاسے یار مجھے آمیدی دھیر بندھا

منزل کیسی اونچی ہے کوئی اس تک کیسے جائے
سانجھ سویرے ساجن ڈھونڈے وہ منزل کو پائے

منزل ملے تو خوش ہو ہو کر کر دے جان فدا
خون کے آنسو رو رو کر مت کر پربت گیلا

منزل پر مرنا سکھیو اس پر جیون قربان
عاشق پیچھے کب ہٹے دے بڑھ کر اپنی جان

سکھیو کرو دعا، منزل پر مجھ کو آئے موت

Gul Hayat Institute

هوت ڀڄڙي حال، مان متان موٽ هٿ ڏئي

هُو سياڻا سُپرين، عاجز هيءَ آڻان
آڏو ڪو هياري ڪاڻ، متي راهه رئان گهڻو

ٻاري ٻره بلوچ جو، رڳو ڏئي راحت
سارِيان ساساعت، جا هيڪند هُيس هوت سان

ٻاري ٻره بلوچ جو، آهِ سُور ونورُ
رات ڏينهان روح ۾، مُحبن جو مذڪور
وڃڻ آهه ضرور، ڪا ڪيون ڪيچيڙن ڏي

ٻاري ٻره بلوچ جو، اوانداهيءَ اوڄرُ
سائي آهه سَيرَ، سو نه ڇڏيندو ڇپَرين

پنڌ نجابت پيرين ۾ جو، "مان" سان ڪين هلي
سائي ڇاهه چلي، جنهن "مان" ڇڏي وچ ۾

Gul Hayat Institute

مر جاؤں تو شائد مجھ پر چھاؤں کرے ہوت

سجن سیانے، میں عاجز انجان میں کیا جانوں
میں کو ہیارے کی خاطر دا ہوں میں روتی رہوں

یار بلوچ کے ہجر کی آگ ہے مجھ کو راحت لیکھ
یاد کروں اس ساعت کو جب میں اور وہ تھے ایک

یار بلوچ کی برہا کی تو آگ ہے نور ہی نور
میری روح میں رات اور دن بس اس کا ہے مذکور
کیچ کی مشکل راہوں پر مجھے جانا پڑا ضرور

یار بلوچ کے ہجر کی آگ سے روشن ہو گئی رات
ساتھی میرے جیون کا نہیں چھوڑے گا مرا ساتھ

اس کی راہ عجیب ہے "میں" سنگ کوئی نہ جائے
"میں" کو پیچھے چھوڑے جو، وہ اس پر چل پائے

Gul Hayat Institute

سوين ڳڻ سندان، مان تي ساريان سرتيون
سگها ٿيندا سُپرين. مون تي مهربان
ويهان ڪيئن مان ڪري، جي ۾ متي جولانَ
ٻڌ ڪيئن ۾ ارمان، هِهڙ و هوت وساريان؟

ڪيچيڙا ڪالهه ويا، مان تي اڱڻ نهاريان
ساريو سُپرين ڪي، هنجون آئُ هاريان
گوندر گنداريان، هيَ هيَ سارا ڏينهڙا

ڪيچيڙا ڪالهه ويا، نتنگ اُنن تا ٽي
هوتن ري ۾ هاٽي، اَڱڻ نهاري نه سگهان

ويئي ڪيچيڙا ڪالهه، تون اَڄ تي پير نهارئين
هولنگهي لڪ سنوان ٿيا، توهت هيڙا حال
ڪند ٻي سارُ سنپال، وحي ڪيچ وٽن ۾

Gul Hayat Institute

سکھیو جن کو یاد کروں میں اُن کے گُن ہزار
چپ بیٹھوں کیسے جب مجھ پر کرم کرے مرا یار
میرے اندر اس کی پریت کی آگ کی ہے بھڑکار
ایسے گُن جب ہوت کے ہوں میں کیسے دوں بسار

کیچی کل گئے میں ڈھونڈوں آج اپنے آنگن
پل پل یاد کروں پریتم کو آنکھوں میں انسون
اب تو دکھ کے ساتھ ہی گذرے گا سارا جیون

کیچی کل گئے اونٹوں کے باندھ کے سارے تنگ
کیا دیکھوں میں آنگن کو جب ہوت نہیں ہے سنگ

کیچی کل گئے میں ڈھونڈوں ان قدموں کے نشاں
پربت پار وہ سیدھی رہ پر پہنچے کیچ جہاں
بیٹھ گھنے پیڑوں کے نیچے کریں گے میرا بیاں

Gul Hayat Institute

اَڳَڻ ساڳِي اوءِ، پَرَ ڪيچن کي ڪاٿون لهان؟
ڏيي ڦَٽَ فِراق جا، پورهيت ڇڏيون پوءِ
هاڻي راهُن متي روءِ، سڌ ڪريندي سات کي

اَڻ مُلهِي آهيان، پانهي پارو چن جي،
سِيِ ڇِپَرُ ڇاپان؛ آهُن ۽ دانهُن سين

ونڌرم ويهان، ڦولن پيون پرين ءَ کي
نال جنين نيهان، هوت تنين جي هنج ۾

هوت پرين هڪواري: مون کي اچي مِلُ ميان!
ڏونگر ڏورڻ مون نه ٿئي، ميان الا، آءُ اوري تون آري
ڳچي ۾ پائي ڪپڙو، ميان الا، زور ڪريندس زاري
جا او هانجڙي ڪونجي، ميان الا، سا تو ڪيئن وساري؟
هيجون ڪنيم سرتي، ميان الا، يار برهه جو باري

Gul Hayat Institute

یہ آنگن تو وہی ہے لیکن پہنچ گئے کہاں،
دے کے زخمِ فراق کے مجھ کو چھوڑ گئے ہیں یہاں
کوک پکار انہی راہوں میں پھرتی رہ گئیاں

یار برو جن کے ہاتھوں میں بک گئی ہوں انمول
اس آنگن میں سنیں گے اب میرے دکھ کے بول

وندر میں کئی اپنا اپنا ساجن کھوج رہیں
ہوت ان کی آغوش میں جن کے نیناں لگے کہیں

ہوت پریتم، مان خدا کا نام، میاں مل جا
دشت و جبل میں ڈھونڈ نہ پاؤں مل جا آری جام
ڈال دوپٹہ گردن میں میں منت کروں سلام
اسے بھلایا جس نے جیون کیا ہے تیرے نام
کیسے ہنس ہنس سہ گئی ہیں سب برہا کے آلام

Gul Hayat Institute

وَيٺي ڏسان واٽڙي، ميان الا، مونجهه اَوهان جي ماڙي
"سچوءَ" سندو سڄڻا، ميان الا، ٿيو فراق فراري

نٿي وٺي ڳالهه ڪا ٻي، ڏي ٻڌيون، مون کي نٿي وٺي
آءُ نه ڪنديس، وي اهڙي، پلو ميانُ
ڪيچن ڄامون سان ڪي
اوهان منڙ م، وي، مست جو تيڙس
پيالو عشق جو پي
اوهين مڙيئي، وي، عقل واريون
آءُ جو بيراڳڻ ٿي
"سچوءَ" پڇاڻا، وي، سپرين پلو ميانُ
ڪوهه ڪنديس هِت ڪي

Gul Hayat Institute

دکھ کی ماری راہ تکوں ہیں تیری صبح و شام
تیرے دُکھ نے بیجو کا کر ڈالا کام تمام

بھائے نہ جی کو بات کوئی، نہ بھائے کوئی بات
میں نہ بتاؤں میاں جو پیچوں نے بتلائی بات
عشق پیالہ پیا تو چھا گئی مستی کی بارات
میں تو ہوئی بیراگن، رہ گئے تم ہی عقل کے ساتھ
جینا میرا کس کارن جب بیجو نہیں ہے ساتھ

Gul Hayat Institute

سندھ میں سمہ دورِ حکومت میں ایک سردار جسو دھن تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی، ایک درویش نے دعا کی کہا بیٹی ہوگی مگر اسے کوڑھ کا مرض ہوگا۔ بیٹی ہوئی کوڑھ کی مریض، سب علاج بیکار گئے تو اسے دایہ کے ذریعے جنگل میں پھنکوا دیا گیا۔ کینجھر جھیل کے کنارے مچھیروں کی بستی کا بے اولاد کینجھر سردار کو بیٹی کی پیدائش پر مبارک دینے آرہا تھا کہ راستے میں اسے دایہ مل گئی۔ جس سے بچی کا قصہ معلوم ہوا تو کینجھر اس بچی کو اپنے گھر لے آیا۔ اس کا نام نوری رکھا۔ نوری کینجھر کے گھر جوان ہوئی تو اس نے اپنے بھتیجے سے نوری کی شادی کرنی چاہی مگر اس نے بھی انکار کر دیا۔ نوری چاروں طرف اپنی بدصورتی کے لئے بدنام تھی، نوری کو بھی اس کا احساس تھا وہ اپنے جسم کو چادر میں اور منہ کو ہمیشہ نقاب میں رکھتی تھی ان دنوں جھیل کے کنارے ایک اونچے ٹیلے پر شاہ ہونڈرو نامی بزرگ عبادت کیا کرتے تھے نوری نے ان کے آستانے کی خدمت شروع کر دی، وہ ہر روز کشتی پر اس آستانے تک جاتی، صفائی کرتی، پانی بھرتی، دیا جلاتی اور واپس آجاتی۔ کئی برس گذر گئے، شاہ ہونڈرو کی وفات کے دن قریب آئے تو انہوں نے نوری کو بلایا اور پوچھا بیٹا تجھے کیا چاہیئے نوری نے مرض سے نجات حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا؛ بزرگ نے اسے سات چادریں اوڑھ کر پانی کے سات لوٹے اوپر ڈالنے کے لئے کہا، نوری نے بزرگ کے دیئے پانی سے ایسے ہی غسل کیا اور پھر شہزادیوں سے بھی حسین نوری نکل آئی۔ اس کے چہرے سے روشنی پھوٹتی تھی۔ چنانچہ پہلے بدصورتی اور اب بے پناہ حسن چھپانے کے لئے وہ ہمیشہ منہ پر نقاب رکھتی، نوری اب بھی بزرگ کی خانقاہ پر دیا جلایا تی۔ ان دنوں سندھ کے سمہ حکمران جام تماچی (رکن الدین شاہ جام تماچی ثانی ۱۳۸۸-۱۳۹۲ء) نے جھیل کے کنارے ایک ماڑی (حویلی) بنوائی تھی اور شکار کھیلنے آتا تو اس میں ٹھہرتا، ایک رات نوری بزرگ کے مزار سے واپسی پر اندھیرے میں راستہ بھول گئی، راستہ ڈھونڈنے کے لئے چہرے سے نقاب الٹ کر روشنی کی جس کی جھلک اس وقت جام تماچی کو نظر آگئی۔ اس نے وزیروں کو اس روشنی کا پتہ لگانے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ یہ نوری کا حسن تھا۔ جام تماچی نے نوری سے شادی کرلی، جھیل نوری کے باپ کینجھر کو دے دی جو بعد میں اسی کے نام سے مشہور ہوئی۔ جام تماچی کو نوری سے بے پناہ پیار تھا، نوری کی سادگی کی اداؤں نے اسے جام تماچی کی نظر میں دوسری رانیوں سے ممتاز کر دیا تھا۔ نوری نے اپنا مچھیرن ہونا کبھی نہ بھلایا اور دوسری رانیوں سے تقابل میں اپنی اس عام حیثیت کو اتنی مہارت سے استعمال کیا کہ جام تماچی اسی کا گرویدہ ہوگیا، حسام الدین راشدی مکلی نامہ کے حواشی میں لکھتے ہیں۔ "تحفۃ الاکرام" کے مطابق اس جام تماچی اور نوری کی قبریں مکلی میں شیخ حماد جمالی کے مزار کے پاس ایک حجرے میں موجود ہیں۔

Gul Hayat Institute

نوری

تون سَمو سردار، آءُ ميئي مهاڻي آهيان؛
تنهنجي ءَ شفقت مهر جو، آهي ڪونه شُمارُ
گندي ءَ گاندر گهر ڪان، ڪيو ساري عالم عار
متي تنهن مَدارُ، تو ساري ءَ ڪينجهر ڪيو

تون سَمو سائين، آءُ ميئي مهاڻي آهيان؛
مون لَج رهائين، جو پَليءَ لڳيس تانهنجي

آءُ ميئي مُهاڻي، تون سَمو ساري سَرَ جو
قرب منهنجو ڪهڙو ڄاڻيو تو ڄاڻي
ڪاري سر ڪنيم ٿي، پڇي ءَ ڪِڪي ءَ هاڻي،

Gul Hayat Institute

میں ہوں مہانی (ماہی گیر) تو سمہ سردار
تیری شفقت مہر کا کوئی نہیں ہے شمار
ہر کوئی دور رہے ان سے گندے گھر ہمار
کینجھر نے پر رکھا ہے تجھ پہ دار مدار

میں ہوں مہانی (ماہی گیر) تو ہے سمہ سائیں
تیرا دامن تھاما ہے تو ہی لاج بچائیں

تو سمہ سردار ہے، میں (ماہی گیر) مہانی
قربت مجھ کو بخش کے پریت مری پہچانی
میں نے بُو کی ٹوکری سر پہ اٹھائی جانی

Gul Hayat Institute

راڻا تنهنجي راڻ سان، تِيس راڻن جي راڻي،
تو سماسيباڻي؛ نه ته هيس بيهودي بِڇڙي

چوليون جن چِڪ هيون، اَڄ تيون لالين لاٿو
جُتيون جَڙائو، پايون وتن پير ۾

مَڪَ برابر نه ڪريان، مانڪ موتِن سان
سَمو ڄام سُڄاڻُ، جنهن چارو ڄام ڪُلهي ڪيو

رنگ ڪاري رُويون، هيون مٽِي ملاحن جيون
سي ڪنيون ڪارن ۾ آڇن، دَرا ۽ دُويون
جت بيحد بدبُويون، اُت الله عطر اوتيا

منهن مِٽي ۽ ميريون هيون، بيهوديون بِڇڙيون
ڳِهڻ ڳِهڻ نوري ۽ ڳِهنگرو، ڇم ڇم تيون ڇيريون
سي پاڻ سهاڳ ڏنيون، هي جي هڻن هيريون

Gul Hayat Institute

تو راضی تھا میں ہوئی رانیوں کی بھی رانی
میں بے ہودہ، بدصورت تو نے قدر ہے جانی

جن کی چولی میلی تھی مہک رہی ہے آج
ہوئیں جڑاؤ جوتیاں ان پاؤں کی محتاج

مانک موتی جانتی نہ میں مچھلی کے مول
جال اٹھا کے سمہ جام جانے تو ہی تول

ملاحوں کا جیون کیسا رنگ تھے ان کے کالے
آج آئے ہیں سر پہ اٹھائے ٹوکرے مچھلی والے
مہر خدا کی، نہیں ہے بدبو، خوشبو کے ہیں جھالے

میں مٹی کی مورت تھی نہ روپ تھا نہ کوئی رنگ
اب نوری کے گھونگھرو چھنکیں چھن چھن پائل سنگ
میں سمے کی سہاگن ہوں اور سمہ میرا انگ

Gul Hayat Institute

لوھاڻيون لوڙيون، پارس لڳي سون ٿيون

ٻِھ ڏوڏا جن ڏاجُ، ڦوٽ جنين ڪمُ ڪوٽيون
انهن جو احتياج تو تماچي ڪيڏو ڪيو

نوري ۽ ڪيو نازُ، ٿي ريجھا ئي راوَ کي،
نت نت ڄام نيازُ، تو اچيو انھن جو ڪري

تون تماچي ڄامُ، آءٌ ميٺي مھاڻي آھيان
ڏنو تو آرامُ، ڪينجھر ۾ ڪنڌين کي

پَلَڪَ مون پاڻ تو ءِ، تون راجا لڄَ رھائيين
سماسُچا تو ءِ، ڪامل پنھنجي قُرب کي

تون سمو سُلطان، آءٌ ميٺي مھاڻي آھيان
تون مون ڏي نھن مِھربان، مون کيهي ڪاڻ ڪُرم جي

مَکَ برابر نه ڏيان، تو ڏي پرين موتئين ماڻ

Gul Hayat Institute

لوہا میرا سر پر تھا ہو گیا سونا پارس سنگ

جھیل کے بوٹوں کے جڑ ڈوڈے جن کا تھا کبھی داج
جام تماچی دیکھو ان کا ہو گیا خود محتاج

راؤ کو رجھائیں پل پل اب نوری کے ناز
جام تماچی نت نت آن اٹھائے ناز نیاز

تو تھا جام تماچی میں تھی (ماہی گیر) مہانی
تیرے دم سے سکھ میں کینجھر جھیل، کنارے، پانی

میرے گلے میں ڈال کے پلو راجا نے پہچانا
میں سمہ! تیری لاج ہوں میں نے بھی یہ جانا

میں ہوں (ماہی گیر) مہانی تو سمہ سلطان
کیا پرواہ کسی کی، گر ہو تیرا کرم ہر آن

مچھلی سے برابر ہیں کب موتی کے تھال

Gul Hayat Institute

ٻيو مون ڪميڻيءَ ڪاڻ، ڄارو ڄام ڪُلهي ڪنيو

مَڪَ موتين ٿِي نه ڏيان، توڙي هُئَن ياقوت ڀات
ڪو جهي مان ڪم ذات، پر ڄارو ڄام ڪُلهي ڪنيو

مهاڻيءَ جي من ۾، نه هو گِيرَبُ ڳاءُ
نيڻن سان ناز ڪري، ريجها ياڻين راءُ
سَمو سَيڻني ڪانءُ، وَڃِي ويٺي پاڻ سان

پَلڻي لڳِي آهيان؛ آهيان اَياڻي،
سَمي سُڃاڻي، ڄارو ڄامَ ڪُلهي ڪنيو

فارغ ٿِيَن نه فراق کون، ويجها ڪين وصال
گم ٿِيڻُ ڪَئُن گم ٿيا، نڪا سرت سَنڀال
اَڳي قِيل نه قال، "سچو" صُمٌّ بُڪمٌ ٿيا

Gul Hayat Institute

جام نے میری خاطر ہی کاندھے ڈالا جال

میں مچھلی نہ دوں، ہوں چاہے موتی ہیرے لال
جام نے میری خاطر ہی کاندھے ڈالا جال

میں مہانی (ماہی گیر) دغا نہ کوئی کمایا
آنکھوں کے سو ناز تھے جن سے رلائے رجھایا
ساری رانیوں سے چھینا، اپنے پاس بٹھایا

دامن تیرے میں لگی، میں بھولی انجان
جال اٹھایا سمہ نے اور مجھ کو لیا پہچان

نہ فارغ میں ہجر سے نہ ہی قرب وصال
غرق ہوئے تو غرق ہوئے، گم بھی ہوئے کمال
صُمٌّ بُکمٌ پہچو ہے وہاں نہ قیل نہ قال

Gul Hayat Institute

یہ کہانی عمر ماروی کے نام سے مشہور ہے اور سندھ کا شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے اپنی شاعری کے لئے اس کہانی کا کسی نہ کسی طرح سہارا نہ لیا ہو، تھر کے ایک گاؤں میں مارو قوم کے لوگ رہتے تھے ان میں ایک شخص بالنہ تھا جس نے ایک خوبصورت رتھ بنایا۔ جسے ہرن کھینچتے تھے وہ اسے ننگر پارکر کے راجہ پھول کے پاس لے گیا۔ راجہ نے یہ رتھ اس سے مانگ لیا مگر بالنہ نے کہا کہ اس نے یہ رتھ کسی اور بادشاہ کے لئے بنایا ہے اس لئے وہ اسے دوسرا رتھ بنا دے گا۔ راجہ پھول نے بالنہ کو اپنے محل میں مہمان رکھا مگر رات کو بالنہ کو خیال آیا کہ راجہ اسے مروا کر یہی رتھ نہ لے لے۔ چنانچہ وہ رات کو رتھ لے کر بھاگا۔ لیکن آدھی رات کو رتھ میں سے ایک عورت نے اسے پوچھا کہ وہ کون ہے اور اسے کہاں لے جا رہا ہے۔ یہ عورت راجہ پھول کی رانی مادڈنی تھی۔ جس سے راجہ کسی بات پہ ناراض تھا۔ رانی کے بچہ بھی ہونے والا تھا۔ وہ دراصل اپنے محل میں سیر کر رہی تھی کہ اسے باغ میں کھڑا رتھ خوبصورت لگا وہ اس میں بیٹھی اور سو گئی اور اب بالنہ کے ساتھ تھی، بالنہ بھی واپس جانے سے ڈرتا تھا اور رانی کا بھی یہی مسئلہ تھا۔ چنانچہ دونوں ملیر آ گئے جہاں ماروی پیدا ہوئی۔ بالنہ نے رانی مادڈنی کو بیٹی بنا لیا تھا۔ بالنہ نے ایک لاوارث بچہ پھوگ پالا تھا وہ جوان ہوا تو خوبصورت ماروی پہ عاشق ہو گیا اظہار عشق کیا تو ماروی نے جھاڑ دیا۔ بالنہ نے ماروی کی نسبت اپنے رشتہ دار کھیت سے کر دی۔ پھوگ جل گیا اور ملیر چھوڑ کر عمر کوٹ آ گیا اور بادشاہ عمر سومرو (تحفۃ الکرام کے مطابق وفات ۷۵۶ھ یا ۷۹۳ھ) سے ماروی کے حسن و جمال کی بے پناہ تعریف کی۔ عمر بھیس بدل کر ملیر پہنچا۔ پیاسا مسافر بن کر ماروی کو سانڈنی پر ڈال کر اپنے محل میں لے آیا۔ ماروی نے لالچ اور پیار دونوں کو نامنظور کیا۔ قید میں ڈالی گئی، مگر خانہ بدوش ماروؤں کو نہ بھلا سکی۔ عمر کی دایہ نے ماروی کو پہچان لیا کہ یہ اسی خاتون کی بیٹی ہے جس کا دودھ عمر نے پیدا ہونے کے بعد پیا تھا کیونکہ عمر کی ماں سخت بیمار ہو گئی تھی۔ دایہ نے عمر کو یہ بات بتائی۔ تو عمر نے ماروی، بالنہ اور کھیت سے معافی مانگ لی اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ ماروؤں کو ماروی کی پاکدامنی پر شبہ تھا مگر ماروی چار بار جلتی آگ پر سے ننگے پاؤں گذری تو جب اس پہ کوئی آنچ نہ آئی تب اس کے ماروؤں کو اس کی پاک دامنی کا یقین ہو گیا۔ اس طرح ماروی اور کھیت کی شادی ہوئی۔

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

مارُوی

سنڌيم اَڄ سنگهارَ، جن ڏٺي مون ڏينهن ٿيا
سي لَڪَ لنگهي ٻيهي ويا، ڀانور منجهه ڀنَهوار
هٿِي وينا ڀِڪڙا هُتِ سُکِ ٿِي اجڙ دار
جن جي ساهه سنڀار، سي اَڄ ڀنهوارِ پري ٿِيا

اُيا ڪالهُون ڪالهه، هَيَس مارن گَڏُ ملير ۾
سي ڏينهن ويڙا گذري، ڀڻ منجهه خواب خيال
اڄ پريئن ڪنديئن ڀڪڙا، جوڙي وينا جال
جن جي ساهه سنڀال، سي اڄ ڀنهوارَ پري ٿِيا

Gul Hayat Institute

دیکھے میکے والوں کو، دن گذرے، کرلیں یاد
ٹیلے چیر کے پہنچے ہوں گے جو پانور آباد
جھونپڑے ڈال کے بیٹھے ہوں گے وہ پنھوار آزاد
دور بسوں کو یاد کروں میں، میں خانہ برباد

کل کی بات ہے یاروں سنگ ملیر میں تھی آباد
وہ دن یوں گذرے ہیں جیسے خواب کی ہوں روداد
بیٹھے ہیں اس پار وہ جھگیاں ڈال کے، ہیں آباد
دور بسوں کو یاد کروں میں، میں خانہ برباد

Gul Hayat Institute

تيا پنھوار پري، آءُ ڪن کي ڏورا پا ڏيان؟
اُنهن پا جهوُن مارُئي، ٿي ميان هِت مَري
نئين قبر ڪري، ڪو اوڏي اباڻَن کي.

جي پيکن پوءِ پيام، سي تا ڏکيا ڏينهڙا
هيئن نه پاڻُ ڪا هيم. تا کي هيئن ڪندام
پر وجي ٿر ٿيام، سي سُڌ لهندڙ سومرا.

جي لوئيُون ڍڪي لوءِ، ڪڏهن ايندا آجڙي
اَج هئي پکا پانورين، عُمر ويٺا اوءِ
تن پنهوارن پوءِ، مو ٿي اچڻ نه ٿيو

جيڪس سنگهارن، اُهو ڏيهه وڻي ويو
دري هيج دَرَن، جي سانگَن ڪو سانگُ پيو.

جو ڏاڏاڻو ڏيهه، مون نهوُن مورنه وسري

Gul Hayat Institute

دور پنھوار ہوئے ہیں کس کو اپنا دُکھ بتلاؤں
ان کی خاطر ماروی ہیں، یہاں پل پل مرتی جاؤں
لاڈ بلا میرے میکے والے، قبران سے ہوآؤں

بچھڑ کے میکے والوں سے آئے دُکھ کے دن ملول
ایسی توقع بھی تو نہ تھی جائیں گے مجھ کو بھول
میری خبر تو لینے والے بلبے ہیں تھر کی دُھول

لوئیاں لے کر آنے والے وہ میرے چرواہے
عمر وہ جھگیاں ڈال کے مجھ سے کتنی دور ہیں بیٹھے
وہ میرے پنھوار جو اب تک لوٹ کے بھی نہیں آئے

شائد میکے والوں کو وہ دیس گیا ہے بھا
شائد وہ پھر لوٹ آئیں یہاں برسے جب برکھا

بھول نہیں سکتی میں پل بھر اپنا میکا دیس

Gul Hayat Institute

سوڌا تن لئه ڏيکا رمُون، سومرا سانڍيهُ
ريءَ ٻنهوارن پرڏيهُ، هي عُمر ٿيو ٿي پاڻيان

وس نه وساريام، سُرها وَڻُ سانڍيه جا
اُهي هيڪند ڏينهڙا، تي گڏ جي گذاريام
ياد ڪيون سي ڪيترو، سانگي سنڀاريام
اوڏنهن آڏاريام، ڪَل نهَڻُ لئه ڪانگڙا

هيس ڪير مليرم، هت ٿي آيس ڪير؟
جيڪس پيرٽم پير، فقط لڳ فراق جي

ڪاٿي آءٌ هُياس، ڪاٿي آيس سومرا؟
هُتان هلي هت اچي، ٻورن منجهه پياس
هنجن هابُ ڪِياس، وڇوڙي جي ڏينهڙي

موں کی رَبُ ڏکي، شل پرديسان پناهَ ٢٠

سومرا مجھ کو دکھلا دے اک بار تو میرا دیس
مجھے پنھواروں بناں ہوا ہے دیس اپنا پردیس

بھول نہ پاؤں اپنے دیس کے مہکے ہوئے اشجار
اُن سنگ، ان کے سایوں میں اک جیون دیا گذار
یاد کروں بوٹوں کو تو یاد آئیں اپنے سنگھار
ان کی خبر لینے کل کاگا بھیجا ہے اس پار

کیا تھی میں ملیر میں یہاں آکے بن گئی کیا
ہجر فراق نے کیسا کیسا فرق کیا پیدا

میں تھی کہاں اور اب ہوں کہاں سُن سومرا اے سردار
وہاں سے چل کر یہاں جو آئی دُکھ کی ہے یلغار
ہجر کے دن ہیں اور آنکھوں سے چھوٹ رہی ہے دھار

یارب رکھیو پردہ میرا دیجیو مجھے پناہ

Gul Hayat Institute

تہ ھئان منجھہ پکي، عُمَرَ اَباڻَن جي

ٻَلَڪ نہ ٿيان پاسي؛ ٿل عمر اباڻن ڪؤن؟
گَڏُگَڏيون ھاسي، سين سان سي سومرا

ڪاڏي اَڄ رھي، آئُ ڪاڏي اَباڻان؟
ھاڻي نہ ڀاڻان، تہ ڪا موٽي ملنديس مارئين

جھانگيڙن لَءِ جِيءُ، ھِت عمر آھ اُباڻکي
نئجي گَڏ اُچ اُن سان، حال منھنجو تا ھيءُ
سانگيڙن ۾ سيءُ، آھ اياتو ڏي تانھنجو

پَري ٿين نہ شال، ھُتَن اوڏا ٿِي اَجَرِّ ي!
اُتي ويٺي اُن جا، اتم خواب خيال
سدا سانگيڙن جي، مون کي ساہ سنڀال
ھِت مون ھھڙا حال، ھُت عتاب اُنھن جا

Gul Hayat Institute

میکے والوں کی جھگیوں میں عمر بسوں میں جا

عمر نہ بچھڑوں میکے والوں سے میں پل دو پل
سومرا میرے سنگ تھے وہ میں ان کے سنگ تھی کل

آج کہاں پر میں ہوں اور ماروی ہیں آج کہاں
یوں لگتا ہے ان سے ملنا وہم، خیال، گماں

عمر اداس ہوں ان کے لئے جن کا جنگل ہے باس
مجھے ملا دے جا کر ان سے میں ہوں آس نراس
میرے سنگیوں پر ہے آج بھی تیرا خوف ہراس

شالا مجھ سے دور نہ ہوں وہ سدا رہیں مرے پاس
اٹھتے بیٹھتے مجھ کو ان کا خواب خیال قیاس
یاد کروں پل پل سانگھیڑے اور بندھاؤں آس
یہاں مرا یہ حال وہاں پر ان کو سو دشواس

Gul Hayat Institute

عمر آباڻن ري، آءُ تان ڪو جهي آهيان
هي ءَ لوئي نه لاهيان، جا آهه نشاني اُن جي

ريگستاني راڄ جي، آءُ ڳالهه ڪريان ڪيهي
ڪن پچارون پاڻ ۾، سي واري ءَ تي ويهي
ته "ايندي ماروئڙين مارئي، شل ڪن ۾ پيهي"
اُڪنڊ مون ميلاپ جي، آهه جهانگن ڪي جيهي
منهنجي تن تيهي، آهي سڪ سنگهارن جي

جهانگي جهڻ پياڪ، تاهن شربت هيرو ان'
ڳاڙهيون ڪاريون لوئيون' پهرڻ تن پوشاڪ
لاهج لوئيڙن تان، الله لڳ اولاڪ
جوڙڪن هڏنهن ڪانڪا، عمر ٻي املاڪ
ڪارڻ پروردگار، مون ڪي ميڙئين مارئن

Gul Hayat Institute

عمرؔ بناں میکے والوں کے میں بدصورت ہوں
چادر ان کی نشانی ہے سدا اپنے سر پہ رکھوں

ریگستان کے رہنے والے راآج کی بات بتاؤں
ریت پہ بیٹھ کے جو کرتے ہیں باتیں وہی سناؤں
"اک دن ماروی آجائے گی واپس اپنے گاؤں
ان جھگیوں میں ماروی اک دن پھر رکھے گی پاؤں"
جتنا ملنے کو میں تڑپوں اس سے سوا انہیں پاؤں

تیرے شربت کو کیا سمجھیں لسی پینے والے
تن پوشاک ہیں سُرخ اور کالی شالیں اور دوشالے
عمرؔ خدا کا واسطہ ان کے دل سے خوف ہٹالے
لسی لوئی کل جاگیر ہے ان کی، پھریں سنبھالے
مجھے ملادے، رب کا واسطہ، لسی لوئی والے

Gul Hayat Institute

مينهن وسندي مان، ويڙهيچن ويندياس
لوئي سا ڳين لوءِ جي، نال ونئي نينداس
وڃي ٿر ٿينداس، ڏک سک پائي سومرا

ريگستانن رنگ، جي توتون پسين سومرا
ته ميان ماروئڙن تون، ظالم لاهين زنگ
جو تاکون تهنجي تاب کئن، جهانگي واس جهنگ
ناميا هي تون ننگ، نيئي رساٽين راڄ ۾

مينهن وسندي مون ڏٺا، هي پکا پنهوارن
ڳاڙهيون اڇيون لوئيون، ڪيا سهج سنگهارن
اُهي عام خلق ڪئن، تا گوٺي گذارن
منهنجي اچڻ سنديون، تا راتان نهارن
سانگيڙا ساٿ ۾، پيا نت نت سنيارن

Gul Hayat Institute

ماروؤں سے ملنے جاؤں گی جب ہو گی برسات
لسی لوئی لے کر ان کے ہاتھ میں دوں گی ہاتھ
سومرا میں مَر جاؤں گی مرا دکھ سکھ ان کے ساتھ

سومرا اگر تو دیکھ لے ریگستان کے رنگ
ظلم سے روکے ہاتھ تو دل نہ ہو ترا سنگ
ماروتیرے خوف سے جا چھپے ہیں بیلے جھنگ
مجھے حوالے ان کے کر، میں ہوں ان کا ننگ

مینہ برسا تو میں نے دیکھے جھگیوں میں پنھوار
لال اور کالی لوئیوں سے سینگھارے کریں سنگھار
خلق سے ہٹ کر گوشے میں جو جیون دیں گذار
میں کب اُن تک جاتی ہوں میری راہ تکیں ہر بار
نت نت مجھ کو یاد کریں میری خاطر کریں پکار

Gul Hayat Institute

هيءَ ڳالهيون تيون ڳارن، مون کي ماروئڙن جون

ڪوجهو ورهيو وائُ، اَڄ پڻ مُلڪ مَلير ڏنهن
جَڻُ آيم اَباڻائُ، ماٺهو موتائِڻ جو

لَٿو ڦوڙائو، وريو ورق وصال جو
وري وطن آئيا، ريگ لنگهي راٿو
”سَچُو“ پَرَي ساٿو، تيو موٽي مُلڪ مَليرجو

سدا هُٿن سُکيا، ماروئڙا ته مَلير ۾؛
شَلَ نه ڏينهن ڏکيا، اَچن اَجَڙين تي

سدا سَرها هونِ، ماروئڙا ته مليرِ ۾
مٿي پنهوارن پون، مِهَر جا شَلَ مِينهڙا

ميان ماروئَڙن تي، مِهران وسن مِينهَن
شَلَ نه ڏکيا ڏينهن، اَچن اَجَڙين تي!

Gul Hayat Institute

ماروؤں کی یہی باتیں مجھ کو جان سے گئی ہیں مار

ملک ملیر سے آج تو ایسی ٹھنڈی چلی ہوا
کوئی مجھ کو لینے آیا، میں نے یہ سمجھا

وصل کا آیا باب گیا وہ ہجر سماں دلگیر
اپنے دیس میں مارو آئے ریت کے ٹیلے چیر
سچ کہے سرسبز ہوا ہے پھر سے ملک ملیر

مارو رہیں ملیر میں سدا ملے انہیں سُکھ
رب نہ کرے انہیں جیون میں پیش آئے کوئی دکھ

مارو رہیں ملیر میں سُکھی سدا رہیں
اور پنھوارہ دل پر ہوتی رہیں مہر کی بارشیں

برسے میرے ماروؤں پر بارش کا ہر سُکھ
رب نہ کرے انہیں جیون میں پیش آئے کوئی دُکھ

Gul Hayat Institute

سداسي ساٿيهہ ۾، سُکيا هُئن سنگهار
پکي منجهہ پنهوار، سُل هُئن هميشہ سرها

سائين سنگهارن جو، رکج پَن پکي
ڪوٺي تانہ لکي، هُئن سدا ئين سرها

سنگهاري ساٿيهہ، سُل هُئن سدا ئين سرها
وڃَن نہ پرديهہ، خوش گذارن اُتهين

جاتي واري دِڄنو، تاتي اُذن پکڙا
پاڳين لتاڙيو، سدا رهن او سرها

وري وسايو، مالڪ مُلڪ مليرجو
سوا ڳي ڪون اُجرو ٿيو، سائو سوايو
آڳي اگهايو، "سچو ءَ" جو سوال ڪيو

ايان ڪِنون ڪِنوٽيون، تہ سانگين ساهہ پوي

Gul Hayat Institute

میکے والے خوش رہیں اپنے دیس سدا
ماروو اپنی جھگیوں میں سکھ سے دیں بتا

سائیں میکے والوں کی جھگیوں کی تو لاج
دکھی ہوں نہ، سکھ بسیں جب تک تیرا راج

میکے والے خوش رہیں سدا ہی اپنے دیس
خوش گذران سدا ہو ان کی جائیں نہ پردیس

ریت کے ٹیلے جہاں بھی ہوں وہاں بنائیں گھر
پھر وا ہے سدا خوش رہیں، رہے نہ کوئی ڈر

ملک ملیر میں مالک نے پھر بارش برسائی
پھرا دُھل گیا دیس کا ہریالی لہرائی
سچ پوری ہوگئی لب پہ دعا جو آئی

بجلی چمک رہی ہے آئی ماروؤں میں بھی جان

Gul Hayat Institute

وَسي ترتارِ ڪَنَ، نيَون ءِ نوٽيون
جانَي هُتَن ڀوٽيون، تانَي آجِڙي آرام ٿيا

مون ڪون وِسرن ڪِينڪِي، اُهي عُمر ويلڙيُون
چاريم وڏي چاه مون، ٿي ڇيلاءِ ڇيلڙيُون
ٿي ڪيڏيم ڪيلڙيون، سرتِن سان سائيهه ۾

اَدس اڏن سومرا جيو ڏادي ڏڏونرا
تَن ۾ سانيي رکن سامهان، ڏٿ ڀهون ڏڏونرا
ڏگَ ڏکي ڏڏونرا، صبح ڪاٺن خوش ٿي

ڪَرين ڀِو ڪِلان، سانگِيڙن تي سومرا
سارهه سوٽِن تي، لاهه نو ڪان آٺُون ٿهلان
هِي جي موٽن جون مهلان، تي محلن منجهه گُذاريان

مون جاليوسان جَن، موٽي تن نه پُڇيو

Gul Hayat Institute

بھر جاتے ہیں تال تلیا مینہ برسے جس آن
دیکھ کے پانی ڈیرے ڈالیں ماڑو میری جان

عمر بھلا دوں کیسے میں سماں جو بیت گیا
گلہ بھیڑوں بکریوں کا میرے آگے تھا
میں سکھیوں سنگ کھیلتی رہتی تھی سدا

وہ بنائیں جھونپڑے سومرا اے سردار
جنگلی پھل پنیر سنبھال کے رکھیں وہ ہر بار
صبح سویرے کھائیں گے خوش ہو ہو پنھوار

میرے سانگھیڑوں کو سومرا طعنے کیوں دیں لوگ
کر آزاد مجھے مٹ جائیں ان کے سارے روگ
تیرے محل میں موتیوں سے پل میں نے کاٹے جوگ

Gul Hayat Institute

جن سنگ جیون میں نے بتایا پوچھیں نہ میری بات

خال ھن جون خيران، پيرن ھوندين ڪَنَ
تان پيي مارومن، وارُ نه ڪڏنھن وِسريا

توڙي ھون نه پُڇن، آءٌ گھڻو پُڇان تن کي
عُمَرَ آءٌ مڇُڻ، تن ڪَوَن ڏيان وسري

اڄ سنگھاري ساريا، مون مينھَن وسندي سومرا
ڳوڙھا ڳاٽاٽي ٻنا، ھِن ھَنجُن مون ھاريا
ياد ڪريندي تن کي، يارڻ جَنڙُ ٻاديا
ھِت "سَچوءَ" "سَنيارِيا، ھُت سنيار "سَچوءَ" جي

عُمَرَ اَڃا ڪيُڙا ڪاٺياريون ڪَن ڪِيئَنَ؟
جھِڙي آيس جيئَنَ، شل تِھڙي مارئَن ڏي وڃان!

ڪِيئَنَ ڪاٺياريون ڪن، ڪيڙا اڃا عُمَر ڄام؟
ٿين پنھواريون پَٽ ۾، مِھڻي ھاب مُدامَ

Gul Hayat Institute

خبر انہیں بھی ہو گی جو کچھ بیتی ہے مرے ساتھ
اک پل میں تو بھول نہ پاؤں ماروؤں کے حالات

بے شک میری بات نہ پوچھیں، میں پوچھوں ہر پل
عمرؔ نہ دن آئے ہو جائیں آنکھ سے وہ اوجھل

دیکھ برستی برکھا کو مجھے مارو آ گئے یاد
ہار پروؤں اشکوں کے سُن اشکوں کی فریاد
آگ سی من میں بھڑک اُٹھی جب آئی اُن کی یاد
سچو ان کو یاد کرے وہ کریں سچو کو یاد

اُجلے کپڑے ان کے کب ہوں جن کے عیب ہزار
عمرؔ میں آئی جیسی، ویسی جاؤں ان کے دوار

Gul Hayat Institute

عمرؔ نہ اُجلے کپڑے پہنیں جن کے عیب ہزار
ماروؤں کو میری خاطر طعنے دیتا ہے سنسار

آهيان سر مرا تو سام. تہ لوئي ۽ جي لڄ رهي

هِن لوئي ۽ جي لاڄ، شال رهجي اُجي سومرا
تہ مر ٻُڌي خوش ٿين، ريگستاني داڄَ
ساڻہ ڪا ئي ڪاڄ، جا تيد ڪئي توڪرتَ م

روئان زارو زار، يار، مانَ مارُن کي ملان آءٌ
ڏيان ڏورا پاڪن کي، پَري ٿيم پنوهارَ، يار
ونِي ويٺا پاڻ سان، منهنجو ساهُ سَنگهار، يار
اهو اٿم آسرو، ايندم اُجڙوار، يار
ڪُندا مُهڙ مَلير ڏي، رڻ چڙي ريدار، يار
سو دم گوندر گذري، جو دم اُن ري ۽ ڏار، يار
پڪن مُون پہچايئين، سومرا سردار، يار
راتو ڏينهان اوڏهين، "سچوءُ" ساه سنيپار، يار

Gul Hayat Institute

میں ہوں امانت، لاج لوئی کی رکھنا اے سردار

سومرا رہ جائے، رب چاہے، اس لوئی کی لاج
یہ سن کر کتنے خوش ہوں گے ریگستانی راج
تیری قید میں شاہی کھانا، کھایا کل نہ آج

روئی زار و زار، ملیں میرے مارو یار ہویار
دکھڑا کیسے سناؤں ہیں دور ہیں میرے پنھوار ہویار
اپنی جان کے ساتھ ہیں جو ہیں مرا سنگھار ہویار
آئیں گے، مجھے آس ہے، میرے پہریدار ہویار۔
پلٹیں گے وہ ملیر کو، چھوڑ کے وحشت زار ہویار
مارو بناں ہر سانس مری سانس ہے یا تلوار ہویار
میکے کو بھجوا دے سومرا اے مرے سردار ہویار
سیجھ کو دن رات ہے ان کی سانبھ سنبھار ہویار

Gul Hayat Institute

اوڏاهُون آيا، مون ڏي عتاب، اَباڻن جا
هي ڏيهه ويڙهہ وسري، اِتي ڏينهن وڃي تولايا
ياداسان کي ڪين ڪيٽيِ، مُنجهائين ٻمايا
ڏينهن اسان ري ٻہ گذري، ويتڙيُ سب اَجايا
گهٽامينهن مَلير ڏي، وارِي ٻہ وري وسايا
تُنهنجي ڏس لئہ، هِت سانگي سِڪايا
سائين ٻہ "سچو" سِگهڙا، مون کي مارو ملايا

ڪانگڙا قَرِيَبن جا، توکي ڪالهہ اُڏايو ڪَن
وَتنُوُن ويڙهيچن
آسرونديِ آهيان، مَن ڪو پيرو ڪَن
وَتنُوُن ويڙهيچن
پَکا پَکَن سامهُون، اوڏامان اَڏنِ
وَتنُوُن ويڙهيچن
"سَچو ٻہ" جي بہ سَريَرم، دونهان روزد ڪَن
وَتنُوُن ويڙهيچن

Gul Hayat Institute

میکے والوں سے آیا، مجھے غصہ بھرا سندیس
کتنے جگ تجھے بیت گئے وہاں، اپنا دیس بھلایا
ہمیں نہ تُو نے یاد کیا، مایا نے تجھے اُلجھایا
ہم سے دُور جو گذرے ہیں دن ہوئے وہ تیرے ضائع
ربّ نے آن ملیر پہ دیکھو کیسا مینہ برسایا
اس برکھا نے مارُوں کو کس کس ڈھب سے ترسایا
سائیں سچو نے کرم کیا، مجھے مارو آن ملایا

اے کاگا رے ساجن کے، کل کس نے تجھے اڑایا
مارو دیس سے آیا
آس لگائے بیٹھی ہوں، ابھی آیا، کوئی آیا
مارو دیس سے آیا
آئے بنائے کٹیا سامنے، میرے دیس کا جایا
مارو دیس سے آیا
سچو تیرے سر پہ سے اُٹھ کر دھوّاں سا جو لہرایا
مارو دیس سے آیا

Gul Hayat Institute

..میرا دیرا تھیلو پرگنہ میں راجہ نند کی سات بیٹیاں تھیں سب سے بڑی سومل اور سب سے چھوٹی مومل۔ سومل سب سے عقلمند اور مومل سب سے خوبصورت، راجہ نند نے ایک قیمتی اور طلسمی ہار مومل کو سنبھالنے کے لئے دیا مگر اس نے ہار ایک جادوگر سنبل کو جو جوگی بن کر آیا تھا دان دے دیا۔ جادوگر نے اس ہار کی مدد سے راجہ نند کا خزانہ اٹھا لیا۔ راجہ سخت پریشان ہوا۔ سومل نے باپ کو تسلی دی اور مومل کے شہرہ آفاق حسن سے فائدہ اٹھانے کا مشورہ دیا اور کاک ندی کے کنارے ایک طلسماتی محل بنایا۔ سب ولایتوں کو کہلا بھیجا کہ جو راجہ محل میں مومل تک پہنچ جائے گا اس سے شادی کر لے گا اور جو نہیں پہنچے گا وہ اپنا سارا خزانہ محل والوں کے حوالے کر دے گا۔ بے شمار شہزادوں نے قسمت آزمائی ناکام ہوئے کچھ مارے گئے کچھ جوگی ہو کر جنگلوں میں بھٹکتے رہے ایک ایسا ہی جوگی عمرکوٹ کے سومرہ حاکم ہمیر (تحفۃ الاکرام کے مطابق وفات ۸۴۳ھ) کو ملا جو اپنے وزیروں رانو، جیندھرا ڈونرا اور سنھڑو کے ساتھ شیر کا شکار کرنے نکلا تھا۔ ہمیر کو مومل حاصل کرنے کی خواہش ہوئی۔ چاروں کاک محل پہنچے۔ ہمیر، ڈونرا اور سنھڑو ناکام رہے رانو کاک محل کی بھول بھلیاں خوفزدہ کرنے والے طلسم اور عقل کے داؤ پیچ سے گذر کر مومل کو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ واپس ہوا تو ہمیر حسد سے جل گیا مگر راجہ کے ڈر کے باعث رانو نے کہا وہ کامیاب نہیں ہوا وہ واپس عمرکوٹ چلے گئے مگر رانو اداس رہنے لگا۔ راجہ ہمیر کو بھی پتہ چل گیا کہ رانو نے جھوٹ بولا ہے بہرحال جب رانو نے اقرار کیا تو ہمیر نے مومل کو دیکھنے کی خواہش کی اور رانو کے ساتھ چرواہے کے روپ میں جانے کے لئے تیار ہو گیا کاک محل پہنچا تو اسے مجبوراً لگنے دوھنی پڑی واپسی پر ناراض ہو کر رانو کو قید کر لیا جسے اس کی بہن کھلن نے جو ہمیر کی چہیتی رانی تھی آزاد کرایا۔ اب رانو نے ایک ایسے اونٹ کا انتظام کیا جو عمرکوٹ سے ایک رات میں کاک محل جا کر صبح تک واپس آ سکتا تھا۔ سو کوس کا یہ فاصلہ رانو ہر رات طے کرنے لگا مگر راجہ ہمیر کو پتہ چل گیا اس نے اونٹ مروا دیا۔ رانو کو اسی نسل کا ایک اور اونٹ مل گیا۔ راجہ ہمیر کے علاوہ مومل کی بڑی بہن سومل کو بھی رانو اور مومل کی شادی پسند نہ تھی چنانچہ اس نے ایک روز ایک چرواہے کو تیار کیا جس نے رات کے وقت آتے رانو سے طنزاً کہا کہ مومل سیتل جادوگر سے عشق کرتی ہے جو آج رات آیا ہوا ہے۔ سومل اس رات مردانہ لباس پہن کر مومل کے ساتھ لیٹ گئی۔ رانو نے یہ منظر دیکھا تو اسے چرواہے پر اعتبار آ گیا وہ مومل کے پاس اپنی نشانی چھوڑ کر عمرکوٹ واپس چلا گیا، مومل جوگن بن کر عمرکوٹ میں رانو کے محل کے سامنے رہنے لگی۔ جب رانو کو پتہ چلا تو اس نے اب بھی مومل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مومل نے چتا جلائی رانو کو یقین ہو گیا کہ مومل بے گناہ ہے مگر جب وہ مومل کے پاس پہنچا تو مومل آگ میں کود چکی تھی، رانو بھی بے خطر اس آگ میں کود پڑا شمع محبت کے دونوں پروانوں کا یہ انجام تھا۔

Gul Hayat Institute

مومل رانو

اَءُ راڻا ڏي رَنگُ، موتي ڪاڪ ڪَنڌَن ڪي
لاهِج لڳهِ خداءِ جي، ذرو پُرذو رنگُ
ناميان پاڙج نڱُ، مهڙي هاب مستان ڪُرين

مومَل مهڙي هابُ، راڻا ڪرنه راءَ تون
جوئين ڪي جوابُ، مرد نه ڏين ميندَرا

هِڪُ جُوءِ ٻي جوءِ، ڇڏن ڪِين جوان
اُهي پي انسان، جي ننگن تي نثارُ ٿيا

ڪاٿي ءَ ري ءَ ڪُهي ڇڏيو، راڻا تنهنجي رنجَ
سُڪون ءِ سَهنج، سوڍا ساڻ ڪُٺين وٺين

Gul Hayat Institute

آ رآنا آ کاگ کنارے اپنے رنگ میں رنگ
نام خدا اس من سے دھو دے جو ہے اس پہ زنگ
مت دلوانا طعنے مجھ کو رکھنا نام اور ننگ

راؤ اپنی موکل کو تو طعنے نہ دلوانا
مرد نہیں جو چھوڑ کے جائے اپنی بیوی راتا

زن، زمین نہ چھوڑ کے جائیں مرد ہیں جو جی دار
اک وہ تھے جو اپنے ننگ و نام پہ جوئے نثار

ترے رنج نے چھری بناں مجھے کیسا رکھ دیا کاٹ
رآنا، میری خوشیاں لے کر گیا ہے تو کس گھاٹ

Gul Hayat Institute

ڪاڪ پُڇندا ڪاپڙي، ويا اڏو ڀَنِي
ٻِجي رسيا اُن هَنڌ، ٻت ”مون تون“ آهي ڪانڪا

ڪاڪ پُڇندا ڪاپڙي، وڏي ڏَويلَ ڙِيا
لُڏاڻون لنگهي ڪري، ڪنهن پرٿين پنڌ پيا
اُتي تاڪ ٿيا، جتي ”مون تون“ هُڏنهن ناه ڪا

لنگهيا لُڏاڻو، اَٿون ڪاڪ ڇڏيائون پوءِ تي
تاتي ٻِجي رسيا، ٻاتي مومل نه راڻو
نَڪا مَسجد تَڪيو، اَت نَڪو تِڪاڻو
تاتي تِين تاڻو، جتي ”مون تون“ ناهِ ڪا

ڪاڪ لُڏاڻو لنگهيا، اَڄ لاهو تِي لال،
اوري هَڏ نه اُتِڪيا، تِيا پرٿين خيالُ،
ٿدون پِڇي هليا، جن کي حَد پَچائي حالُ،

Gul Hayat Institute

جوگی پوچھتے کاک کا پہنچے ہیں اُس جا
جا پہنچے جہاں "میں" "تو" میں سے کوئی وہاں نہ تھا

جوگی پوچھتے کاک کا نکلے صبح سویر
پار لنڈآنہ کر گئے ذرا بھی کی نہ دیر
وہاں پہ "میں تو" کوئی نہیں تھے؛ دیکھو تو اندھیر

کاک کو پیچھے چھوڑ کے گذرے شہر لنڈآنہ
وہ پہنچے جہاں مومل ملی، نہ ان کو ملا ہے رانا
وہاں نہ کوئی مسجد تھی نہ مندر کوئی ٹھکانہ
"میں تو" وہاں پہ کوئی نہیں تھے، ختم تھا یہ افسانہ

پار لنڈآنہ کر گئے وہ لاھوتی لال
رُکے نہیں وہ پل بھر کو پار کا انہیں خیال
حد سے بے حد میں پہنچے اور بھولے اپنا حال

Gul Hayat Institute

تَن سُرت نه ڪاسَنيال، رَهيي ويجهاتيا وصال کي

جوڳيَ آهن جي، گَرِش گنگا ڏي تَن جو
آهن ڪو ڏياڪاتَ جا، پَنُ ڪاپڙي ڪي
سِرسَنبا هَن سي، جَنين ناتُو ناٿ سان

جوڳي ٻال ٻُجهن، پر ڪونه لهان ڪو ڪاپڙي،
تن ڳُجهن پَريَن جيون ڳالهڙيون، تيون سجل ساهَ سُجهن
لوڪ نه پئي لُجهن، پِڳَر نالي ناٿ جي

جوڳي آهن جال، پر لاهوتي لنگهي ويا
هي مِڻ مِڻ ڪَن مَٽيَن سين، هو ڪيترا مَتي خيال
سي لانگوتيا لال، پيَنَر پاڳِ مِلن مُون

جوڳِن آهه نه جنگ، هن سُلوڪي سي سان
جيجان هن جهان ۾، هِن طَريلا تَنگِ

Gul Hayat Institute

تن من بھولے تب ملا ان کو وصل وصال

کچھ جوگی ہیں ان کے دھیان میں ہر دم گنگا جل
کچھ جوگی تلوار سے سر کا سودا کریں سپھل
ناتھ سے ان کا ناطہ ہے جو ٹوٹے نہ کسی پل

کتنے جوگی دیکھے ہیں پر ملا نہ اک گنوان
جس کی باتیں سچل کی سانسوں میں بسی ہیں آن
ہر دم ناتھ کا نام ہی ان کے وردِ زبان

کتنے جوگی دیکھے پر لاھوتی پہنچے پار
ان کی من من منکوں پر، اُن تن لنگوٹی دھار
دھن بھاگ ہمارے ہیں جو مل جائیں ایسے یار

جوگی پیار کریں سب سے نہیں ان کی کسی سے جنگ
سر پر چیرا ٹیڑھا ہے ہیں بانکے ان کے ڈھنگ

Gul Hayat Institute

ڪنهن جي رتا رنگ، ماڻڪ مُنهن مشعلان

پُورب پنڌُ نه آهه، ڪڏهن ڪاپڙين کي
چت ماڻهن ميڙاڪو نئي، سا جوُنيءَ جوڳن جاءِ
سامي سرسواءِ، سودو ڪن نه ڪو ٻيو

جاڏي پُورب پنڌُ، تاڏي آڏُ نه وڃٽو
هي هِتِ جو هنڌُ، منهنجو هنڌُ هنگلاج ۾

پُورب پُڇياٽون، پرپيرُ ڏکياٽون پرنان
اوڏيان پرپان پنڌڙا، سي لس لنگهياٽون
اِٿين اُٿياٽون ته ڳس اسين نه ڳڏيا

منهنجو سوُ دل سارئي ساهُ، ووڙاٽا رُسامن سان مارئي
ڏينهن ڪڙهان ڪاڪ تي، آڻيندو ءِ الله
هن مُئي ءَ جو ميندڙا، تو کي ڪيهو پرواهُ

Gul Hayat Institute

منہ مشعل ہیں ان کو کسی نے رنگا ہے اپنے رنگ

پورب جاتا راستہ ان کو نہیں کٹھن
جوگی وہاں ملیں جس دوارے لوگ سبھن
سودا کریں وہ سیس کا جوگی صاحبِ فن

پورب ڈگر نہ جاؤں میں یہ تو ان کی راہ
میں ھنگلاج کو چلتا ہوں وہ میری خنقاہ

پوچھیں خبریں پورب کی پر پاؤں وہاں سے آگے
سارے گھاٹ ہی گھوم گئے کیا پیچھے کیا آگے
گورو کہیں وہ ملا نہیں ہم چاروں اور ہی بھاگے

ہر سانس میں تیری چاہ رہے داتا مجھ کو لوٹا مارا
تڑپوں کاک ندی کے کنارے لائے تجھے اللہ
مینڈھرا مجھ بے چاری کی تجھے کون سی ہے پروا

Gul Hayat Institute

سندوا چڻ تانهنجي ـ روز نهاريان راهُ
گهڙي اوهان جي ٿي گهُران، پٽ آرهان جو چاهُ
مهر متئو تو ناهِ ڪو، جيڪُس منهنجو بخت سياهُ

پئي پيش پرين ءَ کي پاڻ، آءٌ چوندس هلي حالُ هي
تو توُن آهي ميندرا، ڪاڪ ساري قرُبان
دل کي ديوانو ڪيو، ڀهڳڻ تنهنجي ڀاڻ
ناميان ڏسج ننگ ڏي، آءٌ تا ٿيس اَڄاڻ
آندم هيٺ عتاب جي، مون کي پنهنجي ءَ چاڻ
"سچوءَ" سندي ساهه کي، تانگهه ايڏا هين تاڻ

اڙي جيڏيُون منهنجو جيئڙو، وئيو سڄڻ ڏجي
چرخي مُنا تا آريون، پيئر سيڪا ٿي پيجي
دردمندي ءَ جي دل اها ٿي، مت نه ڪنهجڙي ميجي

Gul Hayat Institute

یہ میری تقدیر ہے دیکھوں نت نت تیری راہ
دھیان میں تیرا وصل ہے چاہوں بس اِک پل تیری چاہ
انت نہیں تیری مہر کا پہ میرے ہیں بخت سیاہ

حال کروں گی بیان میں جا کر اپنے پریتم پاس
مینڈھرا تجھ پر کاک محل کی اک اک شے قربان
دل دیوانہ میرا کر گیا تیری نظر کا بان
تو ہی یہاں لج پال ہے میرا میں تو ہوں انجان
میرا دوش تو اتنا ہے لیا میں نے سب کچھ جان
سچ ہر دم دل میں گونجے تیری یاد کی تان

سکھیو! میرا جی تو لئے جاتا ہے۔ ساجن میرا
توڑ دے اپنا اپنا چرخہ میری ہر سکھی:
درد سے گھائل دل نہ مانے بات کسی کی بھی

Gul Hayat Institute

طرز: تُنهنجي يار ”سَچُو“ ري سوزنه پنهنجڙ سَيي

اَڄ ڳَالهيون جَهُڙ وَلِ ، اِنَ وَيڪَ اِن راتِ !
وِيَڙا اسورُ سندو ڪري، اَڄ پيِن تَيڙُم پَلو
جنهن ساعت گَڏيا سُپرين، سا ساعت ڪنهن نه سَلو
ڳَالهه نه ڪريو ڪا ٻي ، هاريون اوهين هَلو
ڏهاڙي ڏسڻ ڪَوُن ، وارُ نه پوندو وَلو
اَصل اَهي اُنهن سان ، روح منهنجي جو رَلو
”سچو“ گَڏيو سَڄڻَ ، ڪرن لَڳو ڪَلو

ماري ويو ڪا لهه رات ، سونهن پريو سوتا سامِيڙو
راتو ڏينهان روح کي ، طَلَب تنهن جي تات
ڪين سُڃاتم سرتيون ، تا ڪهڙي آهي ذات
سوزنه جهلڻ جهِڙو ، هاريون ڙَي هيهات

یار تجھ کو کھینچ رہی ہے پل پل چاہ تری

سکھیو سہیلیو راول دیس ہیں آیا
کرم ہوا ہے مجھ پر باقی رہا نہ دکھڑا کو
جس ساعت تجھے ملے گا ساجن اس کا پتہ نہ دو
چلو کہ چل کر اس سے مل لیں کوئی نہ بات کرد
اس دلبر کی دید سے پیارے پیار بھی دونا ہو
روزِ ازل سے میرا اس کا روح کا رشتہ ہو
آن ملا محبوب سجن ہے، بیری کو دکھ ہو

مار گیا کل رات سو ہیرا حسن کا وہ شہکار
میری روح کو تیری طلب ہے کیا دن ہے کیا رات
میں نہ سکھیو جان سکی کس زور کی تھی وہ ذات
سہہ نہ سکوں جو دے کے گیا ہے درد کی وہ سوغات

Gul Hayat Institute

اَنئي پهر تنهن جي وانئي، ”سَچوءَ“ کي آهي وات

جو هوم ورو نهن وارو، ٻيجان گَڏيم سونا جو گيڙو
اڳين ءَ پوئين ءَ ڳالهه جو، خيال سُليمانئين سارو
سُونن جي سوغات سان. آيو ادو ڏُنهُن وڻجارو
پسڻ سان پيدا ٿيو، سيني مَنجهه ستارو
صورت تنهن جي سقري، مَشعل مُنهن موچارو
جُڙي ويئو جان ۾، برہ اُنهي ءَ جو بارو
آهي ”سچوءَ“ جو سرتيون، اِهو اکين جو اُجارو

Gul Hayat Institute

نام پنّجو کے ہونٹوں پر ہے اس کا ہی دن رات

میاری، مل گیا دُلارا جوگی ہنس ہنس بولے
اگلی پچھلی باتیں کہیں اور راز بتایا سارا
دکھ کی لے سوغات وہاں سے آیا ہے بنجارہ
اس کو دیکھا تو چمکا ہے سینے میں اک تارہ
صورت حُسن مجسّم ہے منہ مشعل سا اجیارا
جڑ گیا میرے دل میں اپنے ہجر کا روشن تارہ
سکھیو! پنّجو کی آنکھوں کا جوگی ہے اجیارا

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

بیت روجھے

روجهُون رڻُ يادِ ڪيون، اُپيون رتُ رُئن
هرڪنهن ڏينهن هُئن، اِهڙن اوراتن ۾

روجهُون رڻُ ڦِتو ڪري، لاهِ لهي آيون
تَيِن تار نه ترايون، جو مُند نه اُنن مِينهڙا

هنيڙَو ڇِڏي هُت، تيون روا نيون روجهون
ڏکيا اَوسَر ڏينهڙا، تيون گذارن هِت
آنئي پَهر چِت، وطن تن نه وِسري

ماتَر مينهن پِيان، روجهان موٽي آئيون

Gul Hayat Institute

روجھوں نے صحرا کی یاد میں خون کے اشک بہائے
ہر پل ان کو اپنے ریگستان کی یاد ستائے

روجھیں میدانوں کی خاطر چھوڑ پہاڑ گیئں
تال بھرے نہیں پانی سے اور برکھا ہوئی نہیں

من کو چھوڑ یہاں پر آخر روجھیں ہوئیں روانہ
دکھ کے دن تھے ان کے، پل پل ان کو تھا غم کھانا
آٹھ پہر مشکل تھا چت سے اپنا دیس بھلانا

وادی وادی بارش برسی اور روجھیں لوٹ آئیں

Gul Hayat Institute

اَسَرِ سَندا ڏينهڙ، وسري سڀ ويان
تاتا تَر ٿيان؛ ڦٽيون ڦوڙيون ڳڏيون

جڏهن ٿيا اَبَر، تڏهن روڄهُن ڳاٽ مٿي ڪيا
مولِي وڇڙيون ميڙيون، جن ٿِي ڳنڍاريا اسَر
ٻهاڙي تَر جي ٻاند ۾، ڳڏجي ڪَن گُذر
ٿيون سيئي سَر، لنگهيَن ڏکيا ڏينهڙا

آسر وٺي آهين؛ روڄهون راٺيون رڻ ۾
اُپيون پيون آيَ ڏي، ٿيو واٽڙيون واجهائين
ڏڙيون ڪيورڻ ۾، ٿيون ٻوٽندون برسائين
تنهن ڪَنڌ ٿيون ڪاهين، جنهن ڪَنڌ وسَن مينهڙا

روڄهُن زارو زار، اُپيي رنو رڻ ۾
ڏڙيون سُٺي ڏُلين جون، سڄيو ڪيو سارُ

Gul Hayat Institute

دکھ کے سارے دن بیتے وہ تھر کو لوٹ گئیں
کیسے خوش ہو کر سکھیاں سکھیوں سے آن ملیں

روجھوں نے آکاش کو دیکھا جب بادل تھا چھایا
دکھ کے دن بیتے، مولیٰ نے بچھڑوں سنگ ملایا
کوہ کے دامن میں خوشں رہنے کا موسم ہے آیا
تال بھرے پانی سے، دکھ کے دنوں کا ہوا صفایا

روجھیں ریگستانوں میں ہیں من میں آس لگائے
پل پل نیلا انبر دیکھیں آس نراس کے سائے
چیخ رہی ہیں، ان کی آنکھوں سے جل بہتا جائے
جس جانب مینہ برس رہا ہے پاؤں ادھر کو جائے

ریگستان میں روجھیں روئیں، روئیں زار قطار
آہ و زاری من کے ساہہ کرتا ہے ستار

Gul Hayat Institute

ساري ساز سُرود سان، سارنگ لَڏين سارَ
روجھن سانڍ رھاڻ لئہ، ڪِنوڻين ڪئي ڪيڪارَ
ٿِي ھليون ٿيلن تي، سٽي گوڙ گجڪارَ
وسي وس وڏي ڪئي، وسڻ جي وسڪارَ
ٽانگھيون ٽارڻون ٽار ٽيون، ترايون تلھارَ
سَچي لَڏڙي سارَ، سِگھي تن سڪ وارئين

”منداڻتاموڻيا“ روئي پيون رڃھون
”ڪميڻيون ڪوجھيون؛ قادرَ تنھنجيون آھيون!

Gul Hayat Institute

سارنگ نے بھی ساز سنبھالے سن کے ان کی پکار
روجھوں نے بھی ہنس ہنس دیکھی بجلی کی چمکار
چڑھ کر ٹیلوں پر سنتی ہیں بادل کی گجکار
بڑی بڑی بوندیں ہیں برسنے کو اب تو تیار
تال تلیاں بھر گیئں پل میں بارش موسلادھار
سچو روجھیں پیاسی تھیں انہیں مار گیا ہے پیار

موسموں پر لوٹ آنے والی روجھیں کہیں یہ رو
ہم ہیں کمینی، ہم بدصورت، رہی ہیں تیری ہو

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

بیت سارنگ

مِهرَسَندا مينهن ، شاهه وسائين سَنَل!
جُهريَلَ منهنجي جهَو پٽري؛ بنا جهَلي جهَلَ
ڪاهِل تي ڪَهَل ، ڪندين سال ڪريم تون

سارنگَ رنگ ڪيا ، پيا ڙي ۾َ پٽن تي
ٻَڪرَ ٻا ٻَاٽن جا ، پَلرَ پي ڍيا
ڏيهان ڏرت ويا ، مولي سندي ۾َ مِهرَسان

اَڄ پڻ پُورَبَ پار ڏي، ڪَڪرَ ڪُڪوريا
سارنگَ سُرَ سُرا ئِتا ، سا جهُري سوريا

Gul Hayat Institute

شاہا بادل مہر کے تُو مجھ پہ سدا برسا
مانگے تیرا آسرا میرا ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا
مجھ کابل پر رحم کر تُو اے کریم خدا

میدانوں میں پچھلی رات کو سارنگ نے چھب دکھلائی
بکریاں میرے بابا کی خوش ہوئی ہیں پانی پی
قحط کٹا اور مہر مولا کی دیس پہ ہے برسی

پورب میں نکھرے ابھرے ہیں بادل
سارنگ نے سُر چھیڑے ہیں میٹھے سُر پل پل

Gul Hayat Institute

سُرَ منڊل ۽ سارنگيون ، چنگ چڱا ڇوريا
آيُ اُتي اوريا ، طبل تاررون تيج سان

وسي پيو وڏ ڦڙو ، پنيون پٽ پريون
پَٽاريون پٽن تان ، وٽا ٽين وريون
ڪيرن جون ڪريون ، چاڙيين ڏنئون چاهه مان

واليءَ وسائيج ، دردمندي ءَ جو ديس
پرين مون پرديس ، اُتي ايندم اوڏڙا

والي وري تون ، وطن تي وسڪرين
مينهن وسندي مون ، سڄڻ ساريم سُپرين

سارنگ سڄيءَ م آتي ، "سچل" سسئي ڇنڊ
مٿان ايندءِ ادپتو ، هاڻ نه مرندءِ هنڌ
آڇا پي ڪاڏ ، وسڻ ڪان اڳي وچي

Gul Hayat Institute

چنگ بجیں سارنگیاں ساتھ ہیں سُر منڈل
طبل بجیں آکاش میں گونج رہا ہے جل

ٹیلے بھیگے ریت کے برکھا برسی آن
بھنبیں ٹیلوں سے پلٹیں آئی ہیں استھان
بھر بھر مٹکے دودھ کے دیتی ہیں وہ دان

دردمندی کے دیس پر مولیٰ بارش بھیج
پریتم ہے پردیس میں آئے اپنی سیج

میرے وطن پر والیا تو بارش برسا
مینہ برسا تو ساجن کو میں نے یاد کیا

بجلی سارنگ آگیا تو بھی سُستی چھوڑ
اک دم برکھا برسے گی آ جائے گا موڑ
مہلت ملے گی پھر کہاں ابھی سے چھپر جوڑ

Gul Hayat Institute

سارنگ ساري رات، رڻن مٿي ريج ڪيا
پڪن پرڙا سوٽيا، پرڦٽي ٿي پرڀات
پنن تي پدراٽيا، ڳل ڦل پاتون پات
واڻي سيڪنهن وات "سچل" سارنگ سانڻ جي

سارنگ صبح آئيو، گوڙيون ڪري ڳاج
هاري هليا هاج، ڪڙمين هر ڪُلهي ڪيا

اکين آب وهائيو، سرتيون ساري رات
وهائن وڏ ڦڙو، برچن ناپرڀات
پيئڙ ڪان برسات، اکين ارتڻ سڪيو

هڪ وسڻ پيو وڃڻ، تيون لڳي پيو سڀي ڳُ
جهوري وڏيئين جهوپيون، ڇپن وڏا ٿين ڇڙي ڳُ
رڻن جو رڻن ۾، واه وسيلو ٿي ڳُ

Gul Hayat Institute

ریگستان پہ برسا ہے سارنگ ساری رات
اُڑے پکھیرو جھوم کے ہوئی ہے جب پربھات
رنگ برنگے پھول کھلے ہیں ہر ڈالی ہر پات
سچل سب کے ہونٹوں پہ ہے بس سارنگ کی بات

سارنگ صبح سویرے لایا گونج گرج ہلچل
نکلے ہاری کام کو رکھ کاندھوں پہ ہل

آنکھوں نے پانی برسایا سکھیو ساری رات
موٹی بوندیں برس پڑیں جب آئی ہے پربھات
آنکھوں کو سکھلا گئی ہر دم رونا رُت برسات

اک برسے اک کڑکے بادل تیجی سردی آئی
جُھگی ہر غریب کی دیکھو ڈر ڈر کے تھرائی
بیواؤں کی جان پہ یہ کیا ہے مصیبت آئی

Gul Hayat Institute

ڻالُ ٻنين جو هيءُ ، تن پس وررڪ پناهه ۾

اَول آندي آئيءَ ، پويان جُهڙ جهجهو
تنکو اولو آسرو ، تنکو اوٽ اَجهو
ڏهياين ڏجهو ، تن پرورڪ پناهه ۾

سچل سائين سنڌ جي ، وري وڻايون وات
جُهڙ ڦڙ جهلي آئي ، جهنجهڪو ڏيئي جهات
دسي پيا وڏ ڦڙا ، گهيڙ پسائي گهات
لاٿي اُڃ اُسات ، سارن سنگهارن جي

Gul Hayat Institute

لے لے انہیں پناہ میں رکھ ان پہ ہاتھ خدائی

پہلے آندھی اس پر آیا بارش کا طوفان
آسرا ان کا کوئی نہیں ہے نہ چھپر نہ مکان
یہ بد قسمت ان کو دینا اپنی پناہ امان

چلے ہیں بادل سندھ کو جو ہے شاد آباد
سجل بارش تیز ہوئی برکھا ہوئی زیاد
بارش موسلادھار تھی گھاٹ ہوئے دلشاد
میرے میکے والوں نے پیاس کی دی ہے داد

Gul Hayat Institute

سندھی میں رانجھا کو رانجھو یا رانجھن کہا جاتا ہے۔ رانجھا تخت ہزارہ (ضلع سرگودھا) کے زمیندار کا بیٹا باپ کے مرنے کے بعد بھائیوں کے سلوک سے تنگ آ گیا، بھابیوں نے طنزاً کہا کہ کیا وہ ہیر سیال بیاہ کر لائے گا۔ ہیر جھنگ کے سیالوں کے سردار چوچک کی بیٹی تھی اور اس کے حسن کا بڑا شہرہ تھا۔ رانجھا تخت ہزارہ چھوڑ کر جھنگ سیالاں کو چلا۔ دریائے چناب کو عبور کیا اور ہیر کے باپ کے پاس مویشیوں کے گلے کا نگہبان مقرر ہوا، پھر عشق کی آگ نے دونوں ہیر اور رانجھے کو گھیرے میں لے لیا۔ تپش دور تک پہنچی، ہیر کے معذور مفت خور اور بزعم خود اخلاق کے علمبردار چچا کیدو نے حکایت عام کر دی، بھائی نے ہیر کو بلا بھیجنے کے لئے کہا۔ رانجھے کو نکالا گیا تو ہیر کے باپ کے مویشیوں کا گلہ بھی بگڑ گیا۔ مجبوراً اسے واپس بلایا گیا۔ دوسری طرف ہیر کی منگنی رنگپور کھیڑا (ضلع مظفر گڑھ) کے سیدا کھیڑا سے کر دی اور پھر ہیر کو اس کی مرضی کے سراسر خلاف زبردستی سیدا سے بیاہ دیا گیا۔ رانجھا ٹلہ بالناتھ (ضلع جہلم) پہ جا کر جوگی ہوا۔ جوگی کے روپ میں رنگ پور پہنچا۔ ہیر کی نند سہتی کے ذریعے ہیر تک رسائی حاصل کی اور آخر رنگ پور سے نکل پڑے۔ مگر کھیڑوں نے تعاقب کیا، پکڑے گئے راجہ کے دربار میں پیش کئے گئے۔ راجہ نے دونوں کو جدا کرنا چاہا، ہیر کھیڑوں کے سپرد کرنے کا فیصلہ دیا مگر اس ناانصافی پر اس کے شہر میں آگ لگ گئی۔ راجہ نے یہ دیکھ کر فیصلہ بدلا اور ہیر رانجھے کے حوالے کر دی، سیال ہیر رانجھا دونوں کو جھنگ لے آئے۔ رانجھے سے کہا کہ وہ تخت ہزارے جا کر باقاعدہ دولہا بنے؛ بارات لائے ہیر اس کے ساتھ بیاہ دی جائے گی۔ رانجھا فریب میں آ گیا، سیالوں نے ہیر کو زہر دے کر مارا اور شہر کے باہر دفن کر دیا۔ رانجھے کو علم ہوا تو وہ محبوب کی قبر پر پہنچا۔ قبر شق ہوئی اور رانجھا بھی اس میں سما گیا، دونوں کا مزار آج بھی جھنگ کے قبرستان میں اپنی منفرد طرز تعمیر کے باعث قابل دید ہے۔

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

ہیر رانجھو

حاڪم تخت هزار جو، قسمت ڪيو ڪنگال
مسڪيني ۾ جو مرد ڪي، خطرو نڪو نيال
محبت مستانو ڪري، هُهڙو ڪيوس حال
پُڇي جهنگ سيال، ڇڏ نه تخت هزار جي

شاهي هُيم شان، دلبر پنهنجي ديس ۾
اُتان آيس اوچتو، ڪٺي سورن جو سامان
ٻيا منجهارڻ ٻيا ٿي آيس، اهو اٿم ارمان
حيرت ۾ حيران، مون کي هير هٿي ڪيو

Gul Hayat Institute

حاکم تخت ہزارے کا قسمت نے کیا کنگال
خود مسکینی راہ چلا نہ دل میں کیا خیال
مستانہ دیوانہ عشق کا پہنچا کون سے حال
تخت ہزارہ یاد نہیں اور پوچھے جھنگ سیال

اپنے دیس میں دلبر میری تھی شاہوں سی شان
اک دم چھوڑ یہاں پہ آیا درد کا لے سامان
میں کیا تھا اور اب کیا ہوں یہ جاننے کا ارمان
ہیر کو آن یہاں دیکھا تو رہ گیا میں حیران

Gul Hayat Institute

رانجهو هُيس راتِ، مالڪ پنهنجي مُلڪ جو
اديءَ عشق اندر ڪيو، پيرُم ڪِين سَماءِ
گهورن ڪيم گهاءُ، هِتي اَچي هِير جي

ڳَڻون ٻار ٻيندس ڳَرٽ جون، ڪاٺ ڪنين جي ڪانُ
اِهاروح رهانُ، مَنَ پيي ميلي محب سان

نورنگ نه درد، ڪيڙو وجهان ڪره
رانجهو منهنجي روح، سدا وَسي تو سِرڻيون

هَرهَر ڏينهن هِير جي، رانجهو ڏسي راهَ
ڏينهن ڏيائي ونجهُلي ٻاهون تي چناه
سانديو وٽي ساهَ، ”سچُل“ سور سڄڻ جا

اَلستي آواز ڪو، منهنجي ڪَنَ پيو
هِردي اندر هير جي، آهي ڪو نه ٻيو

Gul Hayat Institute

اپنے دیس کا میں مالک تھا میں رانجھو تھا راؤ
عشق میں ایسا اندھا ہو گیا یاد رہا نہ بھاؤ
ہیر کے نیناں دے گئے مجھ کو گہرے گہرے گھاؤ

ساری گوٹھ کی گائیں چراؤں لیکن کس کے کارن
شاید مل جائے اس صورت مجھ کو میرا ساجن

کھیڑے جھونکوں بھاڑ میں ان سے دل ہے تنگ
سکھیو رانجھو من میں بسے، میرا اس کا جیون سنگ

رانجھو دیکھ رہا ہے رستہ ہیر کا ہر اک پل
ونجلی کے سُر دیکھو کیسی چاہ میں جائیں ڈھل
کیا کیا دُکھ سینے میں چھپائے بیٹھا ہے وہ پگل

کیا آواز الستی تھی جو میرے کان پڑی
ہیر کے پردے پیچھے ہستی کوئی اور نہ تھی

Gul Hayat Institute

مُرليءَ مست ڪيو، جوڳيڙن جي جيڏيون

ڪاريهر قتيل، ڳوڙهين وڏا ڳوڙهائي
مَندبيو وتي مندبن سان، ناڳ نسورا نيل
رانجهن جي رسيل، مُرليءَ مستانا ڪيا

مُرليءَ تي تنهن مَرد جي؛ ڪنيا ڪاريهرن ڪَنُ
هر ڇڏي پاهر ٿيا، نيلا نڪري نَر
زهري منجهه زهر، جوڳيڙي جهتي وتا

جن کي اديون اوڇتي، ڪاٽيو ڪاريهر
تن جي خاص خبر، جاچيو جوڳيڙن کان

ڪنبيل ڪَنَ ۾ وجهي، خان ڇڏي خاني
جوڳيسرُ جاني، راوي ءَ طرف روي هليو

ڇڏي چاه چناب جو، راويءَ ڏانهن رويو

Gul Hayat Institute

مست ہوئی ہیں جوگیوں کی جب مُرلی باج اٹھی

گودڑی والوں نے کیلے ہیں کیسے کیسے ناگ
ناگوں کو مسحور کریں ہیں جوگیوں کے ہی بھاگ
مست کریں رانجھن کی مُرلی سے نکلیں جو راگ

کیسا مرد قلندر تھا جب مُرلی آن بجائی
زہری ناگ بلوں سے نکلے پھن کی چھب دکھلائی
پل میں رام کیا جوگی نے ایسی کلا دکھائی

سکھیو جن کو ڈس کے گیا ہے زہری کالا ناگ
حال ان کا جوگی سے پوچھو جلی ہیں کون سی آگ

کان میں مندرے ڈال کے چھوڑی اپنی جانی
راوی رُخ سدھار گیا مبرا جوگی جانی

چھوڑ کے چاہ چناب کی راوی اور گیا

Gul Hayat Institute

مُرليون سُرليون، ونجهليون وڄائيندو ويو
تانيڪو تيو، سو نانگو نورنگ پُرم

جوڳي آيو جوءِ ۾، مرڪٽو مٽدار
مُرليءَ مستانا ڪيا، جنهن جي لک هزارُ
ڪاريهر ڪردار، نيلا ناٿ نوائيا

جو جوڳي زلفن وارو، سو سامي مون تاڪين سُڃاتو
ڳل ڪيءَ ڪفني دست ڀڳوتا، مشعل مُنهن موچارو
انگ ڀڀوت بنائي آيو، بيڪهه پئي ڏٺجارو
بئي لباس ڪو رانجهو ايندو، ڀڄي تخت هزارو
سبب اِنهيءَ ڪون ڪين سُڃاتم، ماريو مُئيءَ لڱ وارو
"سچو" سُڃاتو ته رانجهو آهي، جڏهن جمال سليايئن سارو

Gul Hayat Institute

میٹھے سروں میں بنسری کی تان اڑاتا تھا
آخر اس نے منزل کر لی رنگ پور میں جا

کیا گنوان تھا جوگی ہنستا میرے دیس میں آیا
اس کی مُرلی نے لاکھوں کو مست الست بنایا
نیلا زہر تھا کالے ناگ کا ناتھ نے اسے جھکایا

زلفوں کا چھتنارہ جوگی سوامی نہ پہچان سکی
گلے میں کفنی ہاتھ پھوڑا مشکل سامنہ سارا
انگ بھبھوت رما کر مانگے بھیک یہاں بنجارہ
اور لباس میں رانجھو آیا چھوڑ کے تخت ہزارہ
جان سکی نہ اُس کو اُس نے مجھ برہن کو مارا
سچّو جانا رانجھو نے جب حسن دکھایا سارا

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

جوگ

پورب پَنڌ نه وڃڻا، گِرناري گمنام
ويچاري ٿي وات ٿي، ڪَرُن ڪين وسرام
سيني ۾ سنگرام، سَچا سنياسن جي

ورلو ويراڳي، ڳياني ڏٺم ڳودڙيو
پُليا ڏٺم پير ۾، پوڳي ۽ پيا ڳِي
طالبُ ٿيا ڳِيي، لَکن ۾ ڪو هيڪڙو

جوڳين جتنائُون، جوڙي جوڙيون جان ٿي
ڇمتا بڌي چيلهه سان، تُنيون تنيائون

Gul Hayat Institute

راہ چلتے تو نہیں ہے دیکھا رہیں سدا گمنام
عاجز بن کر راہ میں کریں نہیں بسرام
سچے سنیاسی کے من میں ہر دم ہے سنگرام

گودڑیوں میں گیانی دیکھا کوئی کوئی بیراگی
لاکھوں اس چکر میں گم قسمت نہ جن کی جاگی
بھوگی بھاگی لاکھوں ہیں اور ان میں ایک تیاگی

جوگی جکڑ لیں اپنی جٹاؤں میں اپنی ہی جان
چمٹے باندھ سر پہ پھونکیں سنکھ ہر آن

Gul Hayat Institute

جنجيرن سان جهان تي، ڪِشتا ڪڙيائ،
گـروڙي گائون، پـورب پنڌ پُڇي ويـا

جوڳي پاتون پات، پرمنهنجو آڏوتن سان
سَفر ويا سا جهري رهيا رڳيي رات
طلب تنين جي تات، راتيان ڏينهان روح کي

ڪاپڙي ڪن ڦاڙ، اَيل اَج لنگهي ويـا
مَستَ ڪري ويا مَن کي، مُرلين سان مٺيار
تن جوڳيڙن جي جاڙ، موں ڪان مُٺي نه وسري

لاتي لاهوتين، ڏرم جي ڏوٽي
پنبڻ جي پوٽي، ساڙي سنيا سي هليا

Gul Hayat Institute

زنجیروں سے کاسے باندھے ان کو سجاوٹ جان
پورب راہ کا پوچھتے جوگی سے گئے گذران

میرا عشق تو اور ہے ہیں جوگی بھانتوں بھانت
وہ جو صبح سفر کو نکلے رُکے تھے بس اک رات
میری روح کو ان کی طلب ہے ان سے ہے سنگ ساتھ

کان پھٹے تھے جوگی گذرے باندھ کے آج قطار
ایسی بجائی مُرلی کر گئے مست ہمیں منہیار
ان کی بات نہ بھول سکوں گی جیون کے اس پار

لاہوتی نے دین دھرم کی آج رمائی دھونی
سنیاسی نے آگ میں ڈالا کیا پشمینہ کیا پُونی

Gul Hayat Institute

ٻڌائي ساري سَنيها، پنهنجَ پُنهون ءَ کي، ٻيرا ڳي آهيان، دو
حالُ ڏسيو تو جو ويچين، سارو عرض ڪَرين دو
دلاسو ڪو دوست ڏنهن، وري جلد ورين، دو
ڪاروڪَج نه ڪيچ کي، پيپَر تا نه پڙهين دو
ٻانهي ٻاٽي پانهنجي، ڳولن ساڻُ ڳڏين، دو
تو سان عمر گُذاريان، جان جي هِت هُئان، دو
ڳالهين تُنهنجن ڳاري آهيان، جان تي رت روئان، دو
ڏوريندي مون ڏونگرين، گهڻا ڏينهن ٿيا، دو
ٻڌا هوندا هوت تو، جي ”سچوءَ“ سَڏ ڪيا، دو

Gul Hayat Institute

قاصد سب سندیس پنوں کو دینا میں بیراگن ہوں
جا کہنا اس سے جو دیکھا تو نے میرا حالِ زبوں
یار سے حرفِ تسلی لانا، تجھ کو کتنی بار کہوں
مجھ کو چھوڑ کے بیچ نہ جانا میں شرمندہ تو نہ رہوں
باندی بن کر تیری باندیوں میں میں بھی رہنا چاہوں
جب تک جان میں جان رہے سنگ تیرے عمر بتاؤں
میں ہوں تیرے سخن کی ماری نسدن روؤں خوں
کتنے دنوں سے دشت و جبل میں میں تجھ کو ڈھونڈوں
ہوت صدائیں سچو کی سنیں تم بھی ہوں گی کیوں ؟

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

پنجابی

دوہے

چشماں شور شراب مثالی، غمزے رنگ گلابی
نظر گھتیں جہیں طرف اُتے تہیں طرف تھیوے بیتابی
مشتاقاں دے دلیاں ڈھوں کر دیاں شہید شتابی
سٹن، جھٹن تے پٹکا دن، سچل عین عذابی

اکھیاں باز عقاب سوہنے دیاں کرن پرُوں پرواز وڈے
اگوں اوہناں مشتاقاں دے ہوندے سو نیاز وڈے
بانہاں بدھ، گھت گل وچ گادی کردے کھڑا ابلاز وڈے
تاں بھی سچل معشوقاں دے ہو سن غمزے ناز وڈے

حسن دے جوہر کارے چڑھدے بانکے نین سیاہی
شہر دلیں دا لٹ کر نیون ڈیندا عشق گواہی
عشاقاں دے سر چڑھ آوے فوج حسن دی شاہی
سچل نمانے دا توں جگ وچ پردہ رکھیں الٰہی

Gul Hayat Institute

آنکھیں شور شراب مثالی، غمزے رنگ گلابی
جس جانب تم آنکھ اُٹھاؤ سب کو ہو بیتابی
دیر لگے نہ کریں شہید دلوں کو وہ تو شتابی
پھینکیں، جھٹکیں، پٹکیں سچلؔ ساری طرز عذابی

آنکھیں باز عقاب کہ جن کی حد سے پرے پرواز
چاہنے والوں کی خاطر ہیں سو سو ناز نیاز
گلے میں پلّو ڈال کر دوں میں اس سے عرض نیاز
سچلؔ سننے کو تو سن لے مگر وہ اس کے ناز

حُسن کے بن ہر کالے چڑھ گئے بانکے نین سپاہی
لوٹ کے لے گئے دل کا نگر دیتا ہے عشق گواہی
چڑھ دوڑا ہے مشتاقوں پر حسن کا لشکر شاہی
سچلؔ نمانے کا تو جگ میں پردہ رکھ الٰہی

Gul Hayat Institute

شہر حسن دے وچوں چڑھدے ڈِٹھیں نین نوابان
کاہ پون ترسیندیاں نسّی شوکیاں پھرن شتابان
قہر کیندیاں عشاقاں نوں ڈیون لکھ عذابان
ویکھ سچل حیران رہیا اُتھ مونہہ والیاں جھابان

کشتی ڈِٹھم وِچ بحر دے تہیں وچ میر ملاحاں
جھٹیاں مارن پھیاں کوں، نہیں کوئی غرض انہاہاں
کم اوہناں دا ایہو جیہا مار گھتن بادشاہاں
ہند، سندھ تے آن فلک نہ سچل، مارن ملک سپاہاں

ڈِٹھا ہیں رخسار سوہنے دا خوش خورشیدی خوبی
اکھیاں قاتل تھیوں تہاری مشعل مونہہ محبوبی
عشاقاں کوں کرے اسیری، عشق والی اسلوبی
نا مخلوق ایکھیجے سچل سارا رنگ ربوبی

Gul Hayat Institute

حسن کے شہر سے اُٹھے دونوں نین نواب
خون کے پیاسے، خاک اڑاتے پھنکاریں وہ شتاب
اہلِ وفا پر قہر بنے ہیں نازل کریں عذاب
دیکھ سچل حیران رہا اس کا مکھڑا مہتاب

کشتی دیکھی بیچ سمندر جس میں میرے ملاح
جھپٹیں مچھلی مچھلی پر وہ ظالم بے پرواہ
رنگ ڈھنگ ان کے مار گرائیں ایک نہیں کئی شاہ
ہند سندھ کیا ہیں سچل فلک پہ چڑھ دوڑی ہے سپاہ

کیا رخسار کا جلوہ تھا وہ خوش خورشیدی خوبی
آنکھیں قاتل قہر کمائیں، مشعل رو محبوبی
قید کرے عشاق کو تیرے عشق کی خوش اسلوبی
وہ مخلوق نہیں ہے سچل اس کے رنگ نہ لوبی

Gul Hayat Institute

وِچ تلاپانی دے بیٹھے ڈول شہزادے شوری
کردے عالم اُتے حکومت، حکم زورآور زوری
دست کمان اوہناں دے ہیئی مارن تیر لاہوری
سچل صف بصف مشتاقاں جان، جتھا سر گھوری

سوہنے دے مشتاقاں کوں ایہہ لُوہ گھتن لٹکاڑے
سوئی جانن جھلے جنہاں نے چشماں دے چٹکارے
عشاقاں دے وت بازاں وانگن جھڑپ ڈیون جھٹکارے
ایہناں سرّاں نوں سچل جانے، کون ڈیون اٹکارے

بانکے نین سجن دے غالب ماردیندے مشتاقاں
دلیاں لٹ لیون ہک واری کردے کم قزاقاں
بانہاں بدھ کھڑدے تے اگوں صفاں صف عشاقاں
عشق والیاں دیاں ہردم سچل وِنج چھیجن خاکاں

Gul Hayat Institute

ایک تال میں بیٹھے دیکھے دو شہزادے شوری
جگ پر حکم چلائیں دیکھو زور آور کی زوری
تیر کمان ہاتھوں میں ان کے ماریں تیر لاہوری
سچل عاشق حاضر کر دیں، روح، بدن، سر فوری

جُلس کے رکھ دیں سوہنے کے، مشتاقوں کو لٹکارے
بس وہی جانیں جنھوں نے جھیلے آنکھوں کے چٹکارے
جھپٹیں چاہنے والوں پر، دیں باز صفت جھٹکارے
سچل اس کے دستِ جفا کو کون بھلا اٹکارے

بانکے نین سجن کے غالب، ماریں جو عشاق
لوٹ کے لے گئے شہر دلوں کے وہ ظالم قزاق
باندھ صفیں، سو پاس ادب سے، حاضر ہیں مشتاق
سچل عشق کے مارے چومیں اس کے پیر کی خاک

Gul Hayat Institute

چمکن، جھلکن، جھمکن رُخ تے واہ موتی دے دانے
ساگی صورت حق دی ویکھو جے کوئی آن سنجانے
جھلکن جوڑ، جبین تے جادو یار سوہنے کوں بھانے
سچل قدر اوہناں دا جاناں یا وت آپ اوہ جانے

سوہنیاں دے موںہہ سوہنیاں جُھڑدیاں کجاں کج محرابیاں
مسجد ہے یا کعبہ قبلہ ڈیون عشق عذابیاں
ڈنگیاں ونگیاں واہ واہ دیکھو مصحف دیاں اعرابیاں
یا وت حسن دے شہر تے کردا سچل نینہہ نوابیاں

سُرخ لباں ہن لعل امانی یا یاقوت یمانی
موتی موںہہ اگوں شرمندے ہیرے تھئے حیرانی
جھلک جھلک رخسار سوہنے دا پرتو نور نشانی
سچل ویکھ تجلا تہیں دا ہوئی دل دیوانی

Gul Hayat Institute

چمکیں، جھلکیں، جھمکیں اس کے رُخ پہ موتی دانے
ساری صورت حق کی دیکھے گر کوئی پہچانے
یار سوہنے کی پیشانی پہ جادو عجب لگانے
اِس کی قدر تو سچل جانے یا پھر آپ وہ جانے

اس کے رُخ پہ کتنی حسیں ہیں کج کج یہ محراب
مسجد ہو یا قبلہ کعبہ، عشق پہ سدا عذاب
ٹیڑھے میڑھے کیسے حسیں ہیں مصحف کے اعراب
جیسے حسن کے شہر کے سچل، ہو گئے نین نواب

سُرخ ہیں لب کہ لعل رمانی یا یاقوت یمانی
موتی دیکھ اسے شرمائیں ہیرے ہیں حیرانی
جھلک جھلک رخسار ہے اس کا پرتو نور نشانی
سچل دیکھ تجلّی اس کی ہو گئی ہیں دیوانی

Gul Hayat Institute

سوہنے یار دیاں سوہنیاں اکھیاں شاہیناں تے شاہبازاں
ماس نینہاں اتوں آکر کرن پرندیں پرواذاں
چھوڑ تمنا سر دی کھڑدے عاشق عشقے بازاں
معشوقاں نوں رحم نہ پوندا رہندے بے نیازاں
دردڈاڈھے کنوں کردے عاشق آہاں نال آوازاں
ہر جا قدر ادہناں دا سچل نہیں توڑے شہر درازاں

Gul Hayat Institute

سوہنے کی سوہنی آنکھیں ہیں شاہین ہیں وہ شہباز ہیں وہ
بے آس یتیموں کے سر پہ ہر دم محو پرواز ہیں وہ
سر دینے کی خواہش لے کر کیا عاشق عشق نواز ہیں وہ
کوئی رحم نہیں ان کے دل میں کتنے محروم نیاز ہیں وہ
عاشق ہیں ہمہ تن درد ہوئے ہاں درد کی اک آواز ہیں وہ
عزت ہے سچی ہر جا ان کی محمود نہ شہرِ دراز ہیں وہ

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

کافی

بغیر عشق دے ڈوجھا کوئی خیــال نہیں
نہیں جو عشق تاں لے دوست تیڈا حال نہیں
سجن دے در تے شب ور وز دھواں پا رہندے
نہ ایڈے وڈے تھیون عاشق ایک جا رہندے
انہاں دے عشق دا تیکوں کوئی خیال نہیں
انہاں دا حال دچھوڑے صفـا ونجا چھوڑیا
انہاں نے بار برہ دا ہے سر تے چا چھوڑیا
بغیر درد، محبت دا کوئی مال نہیں
اوہ ہائے ہائے کرے راہ تے وتا روے
زمانے وچ نہ جیون جیہا سکھ نہیں سودے
اوہیں غریب کوں حاصل کڈاں وصال نہیں
سجن دے دستوں جو عاشق غریب قتل تھیا

Gul Hayat Institute

بغیر عشق کوئی دوسرا کمال نہیں
نہیں جو عشق تو اے دوست تیرا حال نہیں
دھواں سجن کی گلی میں رما کے رہتے ہیں
بس اک مقام پہ دل کو لگا کے رہتے ہیں
انہیں کے عشق کا لیکن تمہیں خیال نہیں

اُجڑ گئے ہیں وہ دردِ فراق میں تیرے
انہوں نے سر پہ اُٹھائے ہیں درد کے ڈیرے
بغیر درد، محبت کا کوئی مال نہیں

ترے خیال کی راہوں میں وہ بہت روئے
ترے فراق میں وہ ایک پل نہیں سوئے
کہ ان غریبوں کو حاصل کہیں وصال نہیں

تمہارے ہاتھوں ہوا قتل جو بھی اہلِ وفا

Gul Hayat Institute

اوہو ای مرد بنیا عشق والے مقصد دا
قسم سجن دی اوہیں تے کوئی وبال نہیں

سجن کوں جیں بھی ڈٹھا تھی گیا اوہ دیوانہ
رہیا نہ ہوش اوہیں کوں تھیا اوہ مستانہ
سجن دے حسن دا ڈوجھا کوئی مثال نہیں

کرم کرکے سجن گھر اساڈے آ، سائیں
سجل غریب کنوں چت کڈاں نہ چا، سائیں
اوہیں جدائی جیہا کوئی بیا زوال نہیں

Gul Hayat Institute

وہی تو مرد بنا منزلِ محبت کا
قسم تمہاری کہ اس پر کوئی وبال نہیں

اُسے تو جس نے بھی دیکھا ہوا ہے دیوانہ
رہے نہ ہوش و خرد ہو گیا وہ مستانہ
کہ تیرے حسن کی جگ میں کوئی مثال نہیں

کبھی تو مہر کر اور میرے گھر میں آ سائیں
سچل غریب کو دل سے نہ تو بھلا سائیں
اسے جدائی سے بڑھ کر کوئی زوال نہیں

Gul Hayat Institute

جہیں دل پیتا عشق دا جام سا دل مست و مست مدام
دین مذاہب رہندے کتھے، کفر کتھاں اِسلام
پنجتن پاک حمایت میڈی ﷺ حسنؓ حسینؓ امام
بخش کریندا عشاقاں تے جنت جا مقام
سر ڈیون کیتے عشاقاں نوں عشق بدھائے احرام
راتیں ڈیہاں مشتاقاں نوں مستی موج مدام
عشاقاں دا اصل کنوں ہے سولی سر انجام
سُولی تے منصورؒ چڑھایا، 'انا الحق' کلام
، چادن بار ملامت سِر تے برہ سارا بدنام
چھوڑیا تہیں کوں علم عقل نے جہیں دا عشق امام
جا صفت دی مُول نہ وڑدا کلی چھوڑ کمام
درسائیاں دے سویں سپاہی' سچل بھی ہک غلام

Gul Hayat Institute

جس نے پی لیا عشق کا جام وہ دل مست و مست مدام
مذہب دین کہاں رہتے ہیں، رہیں نہ کفر اسلام
میرے حامی پنجتن پاک اور حسنؓ حسینؓ امام
کرم کرے عشاق پہ ان کو دے جنت میں مقام
سر دینے کو عشق نے باندھے عاشقوں کو احرام
شام و سحر مشتاقوں کو ہے مستی موج مدام
مشتاقوں کے بخت میں ہے بس سُولی کا انجام
سُولی پر منصور تھا اس کا انا الحق کلام
ہجر سبب تھا، اس کے سر پر جو آیا الزام
عقل اور علم کو اس نے چھوڑا جس کا عشق امام
دنیا داری سب چھوٹے بس رہ جائے اک کام
کھڑا ہے مالک کے در پر سہیل بھی ایک غلام

Gul Hayat Institute

رودرہی آں یار، ہُن ہے مناسب آون تیڈا
روزِالستی سد تے چاتم برہ تیڈے دا بار
ہجر تساڈے کاہل کیتا رووآں زار و زار
لُوں لُوں دے وچ عشق لپیٹیا تن من تیڈی تار
لکھ کروڑیں، کِتلے آکھاں، ماریا اے حسن ہزار
اکھیاں تیڈیاں گُل گلابی، خونی عجب خمار
ظاہر نال زبان کریساں الفت دا اقرار
چشماں بحری باز قاڈیاں شوق کرن شکار
عاشق کِتلے قتل جو کیتے، صورت دے سنگھار
تیڈے کارن جوڑ پاتوسے، گل ہنجواں دا ہار
سُولی تے منصور چڑھایا، چشماں دی چمکار
کویں کراں، جو دل دا ونجایا، برہے صبر قرار
دین مذاہب کُل دے کولوں یار سچل بیزار

Gul Hayat Institute

روتے روتے عمر گذر گئی اب آجاؤ یار
روزِ الست سے میرے سر ہے، تیرے عشق کا بار
ہجر نے کچھ نہیں چھوڑا جاں میں روؤں زار و زار
عشق نے رواں رواں باندھا تن من اس کی تار
حسن کے ہاتھوں لاکھوں آخر جان گئے ہیں ہار
تیری آنکھیں گل گلابی، خونی عجب خمار
بھری بزم میں اس کے عشق کا کر لوں گا اقرار
تیری آنکھیں بحری باز ہیں، ان کا شوق شکار
کیا کیا عاشق قتل ہوئے ہیں، دیکھ تیرا سنگار
تیری خاطر ڈال پروئے گلے میں انسون ہار
سُولی تک منصور کو لے گئی، آنکھوں کی چمکار
کچھ نہیں بس میں سوزِ فراق نے چھینا صبر قرار
جگ کے دین و مذاہب سے ہے یار یحییٰ بیزار

Gul Hayat Institute

خدا کس جا نہیں چھپدا اللہ جگ لوک سارا ہے
نہ کوچے نہ گلی چھپدا اللہ جگ لوک سارا ہے
بہر جائی بھی حاضر ہے اندر باہر بھی ناظر ہے
اکھیں کھولو تے ظاہر ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں دعوت کی درویشی کہاں درد دل کی دلریشی
کہاں رکھدا ہے بدکیشی اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں لکھ ورد پڑھدا ہے کتھ اپنے نال لڑدا ہے
کہاں خونناب کردا ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں بازی گراں بازی، کہاں میدان دا غازی
کہاں مفتی کہاں قاضی اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں دلقی گداگر ہے کہاں پیری مجاور ہے
کہاں سلطان سرور ہے اللہ جگ لوک سارا ہے

Gul Hayat Institute

خدا کس جا نہیں رہتا اللہ جگ لوک سارا ہے
گلی کوچے میں ہے جلوہ اللہ جگ لوک سارا ہے
وہ ہر ہر جا پہ حاضر ہے اندر باہر بھی ناظر ہے
وہ آنکھوں پر بھی ظاہر ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں دعوت کی درویشی کہیں دردوں کی دلریشی
کہیں رکھتا ہے بدکیشی، اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں اوراد پڑھتا ہے کہیں خود سے ہی لڑتا ہے
کہیں وہ قتل کرتا ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں بازیگراں بازی، کہیں میدان کا غازی
کہیں مفتی کہیں قاضی اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں گدڑی گداگر ہے کہیں پیر اور مجاور ہے
کہیں سلطان سرور ہے اللہ جگ لوک سارا ہے

Gul Hayat Institute

کہاں کر دبدبے لشکر پکڑ دے زور ہر کشور
کہاں احمدؐ کہاں حیدرؓ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں ہے شان شاہی کا کہاں درجہ سپاہی کا
تماشا خوش الالئی کا اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں کرتا ہے بیداری کہاں کرتا ہے لکھ زاری
کہاں چلتا ہے خمّاری اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں ہے عبدہٗ سادا کہاں اسکندر و دارا
کہاں 'انا احمدی' نعرہ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں مست و موالی ہے کہاں ہر کس دا والی ہے
کہاں سچو سوالی ہے' اللہ جگ لوک سارا ہے

Gul Hayat Institute

کہیں دہلائے بَن لشکر کہیں ہے زیرِ ہر کشور
کہیں احمدؐ کہیں حیدرؓ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں ہے شان شاہی کا کہیں درجہ سپاہی کا
تماشا خوش نوائی کا اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں ہے صرف بیداری کہیں ہے نالہ وزاری
کہیں مستی بنا ساری اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں ہے عبدہٗ سارا کہیں اسکندر و دارا
کہیں "انا احمدی" نعرہ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں مست و موالی ہے کہیں ہر اک کا والی ہے
کہیں ہیچو سوالی ہے اللہ جگ لوک سارا ہے

Gul Hayat Institute

آکھ تاں ناؤں ''فقیر'' کیوں کر سڈاؤندا ایں
عشق دے میدان وچ مُول نہ آؤندا ایں
غفلت وچ عمر سبھ تیڈی برباد ہوئی
مستی مے خانے ڈھوں وقت نہ کہیں جاؤندا ایں
زندگی ہے عذاب ہے ہے اوہیں یار بن
سمجھ تُساکوں نہیں لوک نوں سمجھاؤندا ایں
بات برہ دی بیان کریندا ایں عالم اگوں
وائے تیڈے حال تے پیر نہ اوڈھوں پاؤندا ایں
دعویٰ کریں عشق دی خوشش رہیں تعریف وچ
بار ملامت والا سر تے نہیں چاؤندا ایں
خوش لباس تے غذا دی تیکوں بہوں آرزو
یار دی جدائی کنوں انگ نہ بھسم لاؤندا ایں
مست سچل ہو رہیا پیالہ پی شوق دا
آپ تے نچدا نہیں لوکاں نوں نچاؤندا ایں

Gul Hayat Institute

بول 'فقیر' تو خود کو کیوں کہلاتا ہے
عشق کا ہے میدان، نہیں تو آتا ہے
غفلت میں سب عمر تری برباد ہوئی
کبھی نہ مستی مے خانے کو جاتا ہے
اُس بن جیتے رہنا ایک عذاب ہوا
تو سمجھا نہیں لوگوں کو سمجھاتا ہے
خلقت سے تو ہجر کہانی کہتا ہے
تُف ہے تیرے حال پہ خود گھبراتا ہے
عشق کا دعویدار ہے خوش خوش رہتا ہے
سر پر بارِ ملامت کہاں اُٹھاتا ہے
خوش خوراکی، خوش پوشی کا شوق تجھے
ہجر میں انگ بھبوت تو نہیں رماتا ہے
پی کے پیالہ شوق سچل سرمست ہوا
ناچتا خود نہیں پر لوگوں کو نچاتا ہے

Gul Hayat Institute

اس بازی وچ سر بازی ہے — سر ڈیون سرافرازی ہے
ایہو عشق دی عرض نیازی ہے — وت شاہی عشق لگاون کیا
وت تیکوں آپ چھپاون کیا

آپ کنوں گذر توں کردا نہیں — سُولی اُپر چڑھدا نہیں
مرن کولوں اگ مردا نہیں — وت عاشق نام سڈاون کیا
وت انا الحق الاون کیا

جے سر ڈیویں سانگا چھوڑیں — وچ وحدت تے دوئی بوڑیں
تنگ سیاپا سارا توڑیں — نینہہ شاہاں نال لاون کیا
وت ایس گلی وچ آون کیا

دل بیر بچھوں تے مڑنا نہیں — وت ایسا سودا کرنا نہیں
وت موت کنوں بھی ڈرنا نہیں — وت باریرہ دا چاون کیا
وت دردر آپ پناون کیا

Gul Hayat Institute

یہ بازی سر کی بازی ہے — سر دینا سرافرازی ہے
یہ عشق کی عرض نیازی ہے — ورنہ کیا عشق لگانا ہے
ورنہ کیا خود کو چھپانا ہے

تو اپنے آپ سے گذرا نہ — سُولی کے اوپر جھولا نہ
مرنے سے پہلے گذرا نہ — پھر عاشق نام کا شہرہ کیا
پھر اناالحق کا نعرہ کیا

جب سر دا ساتھ بھی چھوڑو — وحدت میں دوئی کو چھوڑو
اور رشتے ناطے سب توڑو — شاہوں سے نین لگانا کیا
پھر اس کی گلی میں آنا کیا

نہیں اُلٹے پیروں پھر پھرنا — ایسا نہیں سودا پھر کرنا
اور موت سے بھی ہے نہیں ڈرنا — پھر بار برہا کا اٹھانا کیا
پھر در در مانگ کے کھانا کیا

Gul Hayat Institute

عاشق ہو کر نوبت ماریں　　اپنا سِرّ صحیح سنبھاریں
بانہب والی گالھ وساریں　　وت سر دے وال مُناون کیا
وت آپ تے خلق کِھلاون کیا

تھی تیار تماشہ لاویں　　انا الحق کلام الاویں
سُولی اُپر آپ سلاویں　　خیال خودی دا کھاون کیا
وت طرح اسی وِنج تاون کیا

اوہ کِتکے ڈیہنہ غلامی وِچ　　وت سارا زور سلامی وِچ
کیوں آپ گھتیوی خامی وِچ　　وت سُولی سر سلاون کیا
وت آپوں آپ اگھاون کیا

عشق دے ڈیرے عاشق آ　　سارے سِرّ دے لیئں سما
اس بازی دا عجب بنا　　وت گلی گلی وچ گاون کیا
وت ایسا سِرّ سناون کیا

Gul Hayat Institute

بن عاشق اور نوبت یہ بجا ہاں راز اپنا ہر اک پا جا
اور درد دالم کی بات بھلا پھر سر کے بال منڈانا کیا
خلقت کو خود پہ ہنسانا کیا

یہ کھیل بھی اب دِکھلاتا چل حرف انا الحق اٹھاتا چل
سُولی پہ خود کو سُلاتا چل اب فکر خودی کا کھانا کیا
اسی سوز میں جان کھپانا کیا

ہاں کتنے دن ہیں غلامی کے دن سارے نذر سلامی کے
گھیرے ہیں اپنی خامی کے پھر سُولی پر چڑھ جانا کیا
پھر خود کو بڑا بنانا کیا

تو عاشق عشق کے ڈیرے آ ہاں بھید کی بات کا لُطف اُٹھا
ہیں اس بازی کے ڈھنگ جُدا پھر گلی گلی میں گانا کیا
یہ بھید کسی کو بتانا کیا

Gul Hayat Institute

دیں کفر کنوں منزل چا دیں ــــ "ھو" تھی "ھو" دا حکم چلاویں
پچھے مُول نہ پیر ولاویں ــــ وت بیڑا اسی در پا دن کیا
وت گھٹی آپ گھما دن کیا

عاشق ہونڑ نہ تھی ــــ یکدل یار یگانہ تھی
عالم ونج بیگانہ تھی ــــ وت نیکوں آپ جھاون کیا
وت ایسا کام کما دن کیا

وہ عشق دے کوچے آیا ہے ــــ وہ کیا قدم اٹھایا ہے
ہُن درسن سارا پایا ہے ــــ سچّل سرڑے آپ سجاون کیا
وت جوشاں جی جلاون کیا

Gul Hayat Institute

تو کفر اسلام سے بچتا جا ــــ تو ''ہو'' بن ''ہو'' کا حکم چلا
تو پیچھے قدم نہ ایک اٹھا ــــ پھر اس کے در پہ جانا کیا
دستک پر اس کا آنا کیا

تو عاشق بن کے نشانہ بن ــــ اور یکدل' یار یگانہ بن
تو عالم میں بیگانہ بن ــــ پھر جا کے اسے رجھانا کیا
پھر ایسا کام کمانا کیا

وہ عشق کے کوچے آیا ہے ــــ اور کیسا قدم اٹھایا ہے
اب سارا درشن پایا ہے ــــ پیچل اب سر کو بچانا کیا
اس دُکھ میں جاں کو جلانا کیا

Gul Hayat Institute

میں تاں آپ مستان ہو رہی ہن نال بیاں آکھاں حال کیہا
ماہی یار محرم میڈے حال وا میڈا کم ادراں دے نال کیہا
سنو سبھ سیالیں دو گالھ میڈی رانجھو یار باہجوں ملک مال کیہا
ماہی چاک میڈی دل لُٹ نیتی تساں کیں کھیڑیاں دا خیال کیہا
جہیں دی روزِ الست ہیں ہو رہی تہیں دی آہس بیاد دیسال کیہا
میں کون ہوں تیکوں ڈور پاڈیواں سُن یار میڈا ہے مجال کیہا
دل آکھاں لٹیجن توں ہکو میکوں میڈا اتھو سے اتھاں اقبال کیہا
مہر نال بچھیں جے توں آپ میکوں سچو آکھ تیڈا ہے سوال کیہا

سانورا بانورا میڈا ماہی مولے شال ملاوے
اب کے وچھڑی کب سوں ملے گی، ندی کنارے جاوے
راتاں ڈیہناں تاھنگ تساڈی سینے ہِک نہ سماوے
اللہ کریسی ڈیہناں اوہو ای انگن سجو دے آوے

Gul Hayat Institute

میں مستی میں ڈوب گئی سکھیوں کو سناؤں حال کیا
ماہی میرے حال کا محرم غیر کا ہے جنجال کیا
سب کچھ میرا رانجھا ہے میرا اور ہے مال ومنال کیا
ماہی نے دل لوٹ لیا ہے اب کھیڑوں کا خیال کیا
روزِ ازل میں اس کی ہو گئی جھنگ ہے کیا اور سیال کیا
دلبر جانی، میں اور تجھ کو دکھ دوں، مری مجال کیا
میں چاہوں پھر لوٹی جاؤں مرا ایسے ہے اقبال کیا
مہر محبت سے پوچھو سچو میرا بھی ہے سوال کیا

سانورا بانورا میرا ماہی مولا لے آن ملائے
اب کے بچھڑی کب سوں ملے گی، ندی کنارے جائے
شام وسحر ترا دھیان آتش سینے میں نہ ہی سمائے
ربّ کرے سچو کے آنگن اک دن وہ بھی آئے

Gul Hayat Institute

ندی کنارے کھڑا و و رانجھو چل ویکھو کرینـدا زاری

پچھ پچھ آیا سُوراج سیالیں دا

وچھلی و جیندا سووت بہوں بہوں روندا

آب اکھیں کنوں جاری

کڈاں کڈاں سوتاں بیٹھا روندا اے

گالھ سیالیں دی سبھ کنوں پچھدا اے

تھی آیا کوئی واپاری

سُونہے دا سبھ ویس کریسوں وے

چوتے چندن نال وال گندیسوں وے

تنہیں گل گھتیسوں گاری

مشک گلاب دے نال دھوئیسوں وے

خوشبویاں سبھ لنگیں کوں لیسوں وے

کرسوں کجلیاں کاری

Gul Hayat Institute

ندی کنارے کھڑا ہے رانجھا، کرتا گریہ و زاری
کہاں کہاں سے پوچھ پوچھ کے آیا دیس سیال
بنسی پہ وہ تان اُڑائے دکھ میں ہو گئے نڈھال
آنکھوں سے آنسو جاری
کہاں کہاں پہ بیٹھ کے رو دیا کیسا اُسے ملال
کس کس سے وہ پوچھ چکا ہے جھنگ سیال کا حال
آیا ہے کوئی بیوپاری
میں پہنوں گی اس کی خاطر سرخ سہاگ کا جوڑا
بال بناؤں ایسے جن میں چندن نہ ہو تھوڑا
گردن میں پھندا بھاری
مشک گلاب سے غسل کروں اور تن من کو مہکاؤں
اک اک انگ کو سو خوشبوؤں میں میں بساؤں
گجرے سے نین ہوں کاری

Gul Hayat Institute

عطر عبیر دا مینہ وسیسوں ڈے
سجو سیرھا چاک کریسوں ڈے
تہیں توں تھیسوں واری واری

عشق دے باہجوں بیا سبھ کوڑ سُولی تے منصور
نہ کوئی دوزخ نہ کوئی جنت نہ کوئی حور قصور
من اساڈا نہیں منیندا مُکیاں دا مذکور
ڈیہنہ جوانی لنگھ گیو سے ہُن تھیو سے جھور
ظاہر ڈیکھم یار سجن دا نینیں والا نُور
بیاں سبھ گالھیں پھُرتیاں پھاہیاں، چھوڑن ہے نی ضرور
تجلی سچ صحیح کر جائیں ہیئں توں آپ حضور

Gul Hayat Institute

عطر عبیر بکھیروں ایسے جیسے مینہ برساؤں
سچل یہ کچھ کر کے میں پھر تجھ کو چاک بناؤں
جاؤں تجھ پر واری واری

عشق بناں سب جھوٹ ہے پیارے سُولی پر منصور
نہ کوئی دوزخ نہ کوئی جنت نہ کوئی حور قصور
دل نے کبھی نہیں مانا ہے مُلّا کا مذکور
پیری آئی گئی جوانی جس کے دن مخمور
میں نے دیکھا یار سجن پر عشق سے پھوٹا نور
باقی کیا ہے، جال بچھے ہیں، ان سے بچو ضرور
سچل ایک حقیقت تو ہے، تو ہے آپ حضور

Gul Hayat Institute

تاب کنوں بے تاب میاں، ہن تاب کنوں بے تاب
نہ ہیں گویا نہ ہیں جویا ، نہ ہیں سوال جواب
نہ ہیں خاکی نہ ہیں بادی ، نہ ہیں اگ نہ آب
نہ ہیں جنّی ، نہ ہیں انسی ، نہ مائی نہ باپ
نہ ہیں سُنی نہ ہیں شیعہ ، نہ ہیں ڈوہ ثواب
نہ ہیں شرعی ، نہ ہیں ورعی ، نہ ہیں رنگ رباب
نہ ہیں مُلّاں نہ ہیں قاضی ، نہ ہیں شور شراب
ذات سچل دی کہیں پچھدائیں نا لے تاں نایاب

آندا جاندا یار دے ویہڑے ڈے وچ یار اساڈے
مارن کان اساڈے کیتُس صورت دا سنگار وے
بُو عطر دی مست کیتا وت کوچہ شہر بازار وے
وچ فراق وصال گِھدوے ، سچل کیا اسرار وے

Gul Hayat Institute

تاب سے میں بے تاب ہوا ہوں تاب سے میں بے تاب
نہ میں گویا نہ میں جویا نہ میں سوال جواب
نہ میں خاکی نہ میں بادی نہ ہی آتش آب
نہ میں جنی نہ میں انسی نہ مائی نہ باپ
نہ میں سُنی نہ میں شیعہ، پاپ نہیں نہ ثواب
نہ میں شرعی نہ میں ورعی نہ میں رنگ رباب
نہ میں مُلّا نہ میں قاضی، نہ میں شور شراب
ذات سچل کی کیا پوچھو ہو، نیچ ہے پر نایاب

اس آنگن میں آئے جائے، جائے آئے یار
گھائل کرنے ہمیں وہ نکلا کر کر عجب سنگھار
مست ہوئے اس کی خوشبو سے کوچے اور بازار
وصل کی شب میں مانگی جدائی سچل دیکھ اسرار

Gul Hayat Institute

غیر دے خام خیال کنوں ہُن ہادی ساڈی توبہ توبہ
جیہی تیہی تیڈی آیاں دور نہ کریں وصال کنوں
آپوں آپ جمال وکھایئں ہیں گئی ہاں ہر حال کنوں
ناؤں سائیں دے ساکوں بچاویں غیر دی قیل مقال کنوں
غرض اساڈا من توں ہادی قسم ہے بیئے سوال کنوں
گڈھ ون داتیں آکھیا سانوں گھلی آں ایہیں گالھ کنوں
دین کفر توں قسم چاتوسے ساڈی بس ایہیں وبال کنوں
عشق اساں نوں الف پڑھایا چھُٹ گئی دلڑی دال کنوں
کرم سبھوئی کوڑی آکھے سچی تھئیں ایں سنبھال کنوں
جان سچل دی نال تساڈے چھٹ گئی ہاں جنجال کنوں

Gul Hayat Institute

مرشد میری توبہ توبہ غیر کے خام خیال سے
جیسی ہوں، محروم نہ رکھنا، مجھ کو اپنے وصال سے
آنکھ پڑی ترے حسن پہ میں تو گذری اپنے حال سے
نام سائیں کے مجھے بچانا غیر کی قیل مقال سے
سائیں اک میری عرض سنو، میری توبہ اور سوال سے
سر نہیں کھینچا ترے اک رہنے کے حکم کمال سے
دین اور کفر سے ہاتھ اٹھایا چھوٹی جان وبال سے
عشق نے ایسا سبق پڑھایا گذرے قیل اور قال سے
جگ، جھوٹا کہتا تھا مجھ کو، میں سچی ہر حال سے
جان سچل کی تجھ پہ فدا، میں بچ گئی ہر جنجال سے

Gul Hayat Institute

کیہا شک گمان سبھ کہیں صورت سیر تساڈا
لکھ پوشاکاں کر کے عاشق کیتئے ہمہ حیران
شاہ منصور دا نعرہ کیا ئیو، مل کھڑا میدان
اوہ بھی توں ہیں ایہہ بھی توں ہیں آپ کریں ارمان
ملاں بھی کر ڈیویں فتوے، آپ تھیویں قربان
سچو ہویا نام تساڈا، کریندیں آپ بیان

اول دلاسے ڈے گیا، ہُن کیہے گناہوں رُس ویندا
دل توں ساڈے وسر نہ ویندا، ہجر دے وچ جو حال تھیا
سو سو طعنے لکھ لکھ بدیاں کردا سارا لوک رِگلہ
مہرا ہیں توں مُول نہ چاویں پیتیں جو تیڈے یار پیا
عشق تیڈے دا ڈیرا دلبر ناگہ نیناں تے ہے تھیا
سنگ ہے سجن کڈاں چھوڑ نہ جاویں، سوہنا سینے نال لگا

Gul Hayat Institute

ہر صورت میں جلوہ اس کا کیسا شک گمان
تیرے روپ ہیں لاکھوں، عاشق رہ گئے سب حیران
دار پہ وارا شاہ منصور، تُو نہ بچ کھڑا میدان
وہ بھی تُو تھا، یہ بھی تو ہے، کیا کیا تیری شان
مُلّا بن کر فتوے دو، خود ہو جاؤ قربان
سچو آپ ہی ازلی چپ ہے آپ ہی شرحِ بیان

جو دل کو سہارا دیتا تھا کس کارن ہم سے روٹھ گیا
کب بھول سکے گا دل اپنا ترے ہجر میں جو جو حال ہوا
جو طعن کے بول سہے میں نے لوگوں سے سُنا جو بُرا بھلا
گر تیری مہر ہے مجھ پر منظور ہے جو جو ظلم ہوا
ترے عشق نے آنکھوں میں دلبر اک عمر سے ڈالا ہے ڈیرا
سچل تو وفا کا پتلا ہے، اسے چھوڑ نہ جا، سینے سے لگا

Gul Hayat Institute

چھوڑ گمان گدائی والا شملا چا بدھ شاہی دا
مار نغارا وحدت والا فکر رکھیں بادشاہی دا
غیر خیال گذار نہ دل تے غمزہ ہئی گمراہی دا
گمراہی وچ ہئی ہدائت نور سفید سیاہی دا
ہر کہیں طرفوں تارک تھیویں کم کر کج کلاہی دا
مار ڈغا تاں ظاہر تھیویں سُرکا پی صراحی دا
آپ سنجان انا الحق آکھیں، ناہیں عیش الٰہی دا
نفی سچل اثبات کریندا ویکھو سیر سپاہی دا

بے رنگی تصویر مولا دی سو رنگ وچ سمایا ہے
آپے گاتا، آپ بجاتا آپ سمیع بصیر
کتھاں لیلیٰ، کتھاں مجنوں، کتھاں نینگر پیر
کتھاں صاحب حکم چلیندا کتھاں سڈیندا فقیر
سچل ہر جا رنگ رانجھن دا حاجت نہیں تقریر

Gul Hayat Institute

چھوڑ گمان گدائی والا شملہ باندھ لے شاہی کا
مار نقارہ وحدت والا، فکر ہو شاہنشاہی کا؟
غیر خیال گذار نہ دل سے ساماں ہے گمراہی کا
اس میں بھی ہے نور ہدائت نور سفید سیاہی کا
تارک ہو تو دنیا کا کر کام یہ کج کلاہی کا
مار کے ڈھول تو ظاہر ہو پی گھونٹ یہ مے کی صراحی کا
خود پہچان انا الحق کہنا، کرنا عیش الٰہی کا
نفی سے ہے اثبات سچلؔ ہاں دیکھو روپ سپاہی کا

بے رنگی مورت مولا کی سو رنگوں میں سمایا ہے
آپ ہی گائے آپ بجائے آپ ہی سمیع بصیر
مجنوں کبھی ہے، کبھی ہے لیلیٰ کبھی جواں کبھی پیر
کہیں پہ حاکم حکم چلائے کہیں بنے وہ فقیر
سچلؔ سب رنگ رانجھے کے میں کیوں کیجے تقریر

Gul Hayat Institute

ناں ڈاہڈے دے یاری لگڑی روزِ ازل کنوں
بانہاں بدھ کے پیش پواں ہیں، نال سائیاں دے زاری
علم عقل تے شرم حیا، کنوں عشق کیتی بیزاری
اپنی مرضی نال اساں خود برہ چا توسے باری
آنگن اساڈے نال کرم دے آتوں سجن ہک واری
عشق تیڈے دی دل میڈے تے، اصل کنوں مختاری
تیکوں ہے معلوم اے پیارا گالھ سچل دی ساری

حسن اساں تے ہلاں کیتیاں کنھوں آکھاں حال
چت دا چوالا تیڈے کارن رو رو کیتم لال
دوست تساڈے دردے باہجوں جیون سبھ جنجال
نظر اساکوں کوئی نہ آیا پیار بناں بیا مال
نال سچل دے آن گذاریں سُن میڈا توں سوال

Gul Hayat Institute

روزِ ازل سے لگی ہوئی ہے اس منہ زور سے یاری
ہاتھ باندھ میں عرض گذاروں سُن مرا نالہ وزاری
عقل اور علم اور شرم و حیا سے عشق کو ہے بے زاری
جی چاہا تھا ہم نے اٹھالی ہجر کی گٹھڑی بھاری
کرم کرو، مرے آنگن آؤ: بے شک ایک ہی باری
میرے دل پر ایک تمہارے عشق کی ہے سرداری
پیارے تو جانے ہے سجؔل کی جو ہے حقیقت ساری

حسن نے کیا یلغاریں کی ہیں کس سے کہوں میں حال
خون کے آنسو رو رو کر ملبوس ہوا ہے لال
اور اگر نہ ہو دردِ جدائی تو جینا بھی محال
جگ میں پیار کا سودا سچا، کھرا یہی ہے مال
آؤ سجؔل سنگ عمر گذارو، مانو مرا سوال

Gul Hayat Institute

نیناں والی نوک اسانوں سانوں لائیو اسی یار
ویکھن نال حیران رہی ہیں اکھیاں دا اسرار
محض ایہناں منصور مرایا خونیاں دے بھی خمار
ڈھڑداای کیہہ عالم دے وچ عاشق تھی اظہار
کئی دانا دیوانے کیتے چشماں دے چمکار
رُخ تے زلفاں لٹکن لمکن خون کرن خمدار
کالے وال کالہیر دانگے چادرے تھے چودھار
مونہہ ڈٹھم مہتاب سجّل دا کیتم حج ہزار

اساں ونجنا تخت ہزارے دہنا راوی دے کنارے
ایہہ دل ساڈی تھئی دیوانی ویکھن ہک نظارے
ہو کنیزک ونج اتھائیں باقی سائیں گذارے
ٹھڈڑیاں ٹاہلیاں راوی والیاں جتھاں رانجھو مست پکارے

Gul Hayat Institute

ان نینوں سے ہم کو کیسا گھائل کر گیا یار
دیکھ کے میں حیران ہی رہ گئی آنکھوں کے اسرار
یہ منصور کو لے بیٹھیں، یہ خونیں مست خمار
دیکھا جگ میں عاشق کی ہے کیا طرزِ اظہار
کیا کیا دانا ہوئے دوانے چشم کی ہے چمکار
خون کریں کیا کیا، رُخ پہ بکھری زلفیں خمدار
بال، گھٹائیں شاہ کالی، تاریک ہوئے چودھار
سچل چاند کا منہ دیکھا مرے ہو گئے حج ہزار

ہمیں جانا تخت ہزارے رہنا راوی کے کنارے
دل اپنا ہوا دیوانہ مانگے بس خاص نظارے
وہاں رہنا باندی بن کے یوں ساری عمر گذارے
راوی کی ٹاہلیاں ٹھنڈی جہاں رانجھو مست پکارے

Gul Hayat Institute

ہے ضرور اساں کوں ونجنا اُنھاں کیتا یاد پیارے
سُن دے سچو ہکو رانجھن جائیں لگ نہ کہیں دے لارے

لگڑی وِچ دل رانجھے نال اڑے لوکو اڑے لوکو
روح اساڈا راتیں ڈیہاں پیا وِچ خاص خیال
رانجھو تخت ہزارے والے ہیں تاں ہیر سیال
دل تے آ بو محکم رہی رانجھو دی ہک گالھ
اصلوں تہیں دے نال جو آہی جی میڈے دی جال
عشق رانجھو دا اندر وڑیا دسر گئی بئی چال
کیوں اپنا ہیں حال سناواں بزہ کیتا بے حال
اگوں سجن دے عرض کرن دی میڈی کیا مجال
حاضری وِچ ہمیشہ ہوویں سچو توں آپ سنبھال

Gul Hayat Institute

لازم ہے ہمیں واں جانا ہمیں یاد کیا ہے پیارے
رانجھن بس ایک ہی سچو لگنا نہ کسی کے لارے

دل رانجھے کے نال رہی دنیا دل رانجھے کے نال
شام و سحر اس دل میں بسے بس ایک ہی خاص خیال
رانجھو تخت ہزارے والا میں ہوں ہیر سیال
دل پر آکر بیٹھ گئی رانجھو کی بات کمال
روزِ ازل سے اس سنگ تھے میرے سارے سُر اور تال
دل میں عشق سمایا ایسا بھول گئی ہر چال
کیسے حال سناؤں دل کا ہجر سے ہوں بے حال
یار سے جا کر عرض کروں میں نہیں ہے میری مجال
سچو اس کے حضور رہو پر رکھنا خود کو سنبھال

Gul Hayat Institute

آپے محرم ہویا میں دا آپے محرم ہویا شاہ جی
نہ میں یاراں نال یاری لائی نہ میں عشق کمایا شاہ جی
نہ میں وچ تماشے آئی نہ میں پیسہ چلایا شاہ جی
نہ میں اِتھاں سیندھ گندائی نہ میں کوئی چت لایا شاہ جی
نہ میں شہ دے کول جو بیٹھی نہ میں سہرا گایا شاہ جی
سچو دا سر تیں توں صدقے بہر راز بتایا شاہ جی

کلنگی والا یار شالا جیویں لکھ مٹھیویں یار
سدا جگ جیویں
مُلک تساڈے، مِلک تساڈی، کیا جو تخت ہزار
سبھ سیالیں تیں توں صدقے کیتی ہیر نثار
میں ناں کو ہجی کملی کالی توں صورت دا سینگار
سچو نمانا در تیڈے تے روندا زار و زار

Gul Hayat Institute

محرم راز بناوہ میرا محرم راز بنایا شاہ جی
نہ یاروں سنگ یاری میری نہ ہی عشق کمایا شاہ جی
نہ میں تماشے میں آئی نہ آگے قدم بڑھایا شاہ جی
نہ ہی بال سنوارے نہ ہی دل دنیا میں لگایا شاہ جی
شاہ کے پاس نہ بیٹھی ہوں نہ میں نے سہرا گایا شاہ جی
پچھو کی جاں تجھ پر قربان تو نے بھید بتایا شاہ جی

کلغی والا یار شالا جیویں لکھ تھیویں یار
سدا جگ جیویں
مُلک تمہارے مِلک تمہاری کیا ہے تخت ہزار
سب سیالاں تجھ پر صدقے ہو گئی ہیر نثار
میں کوہجی کالی کملی تو صورت کا سنگھار
پچھو نمانا در تیرے پر روئے زار و زار

Gul Hayat Institute

آ مل میڈی جان، آمل، آمل، آمل بیبا
عشق دیاں گالھیں ہِن منصوبے عشق دا کیہڑا امکان
کیہڑا امکان وے بیبا!
اساں نمانیاں تے سوہنا سائیں آ کو کریں احسان
آ کو کریں احسان وے بیبا!
عشق تساڈے ڈیکھ جو کیتا توں ہیں سچل سُلطان
توں ہیں سچل سُلطان وے بیبا

اپنے ویہڑے دا چا غلام کیتوئی

ہوش اساڈا ہکو واری نیناں نال نپیتوئی، چا غلام کیتوئی
ہجر گھتیوئی آن یتیماں کیویں دور سٹیوئی، چا غلام کیتوئی
اکھیاں کالیاں لعل شرابی مے دا مٹ پیتوئی چا غلام کیتوئی
ساہ سر یردل یار سچل دا لیئے نال لیتوئی چا غلام کیتوئی

Gul Hayat Institute

آ ہل میری جان، آ ہل، آ ہل، آ ہل پیارے
عشق کے کیا منصوبے ہیں اور اس کا کون مکان
کون مکان لے پیارے
ہم پر سوہنا دلبر سائیں آؤ، کرو احسان
آؤ کرو احسان لے پیارے
تیرے عشق نے ہم سے کیا کیا تو ہے سچل سلطان
تو ہے سچل سلطان لے پیارے

اپنے گھر کا کیا غلام

ہوش تمہارے نیناں لے گئے قصہ ہوا تمام، اپنے گھر کا کیا غلام
ہجر دیا اور کر لیا تو نے اپنا دور مقام، اپنے گھر کا کیا غلام
آنکھیں کالی، لال شرابی پیا ہے جام پہ جام، اپنے گھر کا کیا غلام
سانس کی ڈوری یار سچل کی پہنچی تا انجام، اپنے گھر کا کیا غلام

Gul Hayat Institute

عشق دی خبر نہ تیکوں ہے برہ دی خبر
جے پچھے اساں کنوں ہے بے زباں زہر
تیکوں نہیں کیتا ہے اجھا برہ بے خبر
سر جان دل سبھائی اگوں دوست ڈر نہ ڈر
نہیں خواب، نہیں آرام، ایہو عشق دا اثر
ڈیندا اول نکالی تیکوں سارا شہر
سچل اساڈے کیتے ہوویں روز منتظر

ایہیں سنسار دے وچ یار تماشا ویکھن آیا ہے
رنگاں رنگ وچ یار پیارے، عجب جیہا رنگ لایا ہے
آوڑی سیاں جھمر ماروں، اج سارا کم سجایا ہے
لکھ لکھ پھیریاں دلبر ڈیندا ناچو ناچ نچایا ہے
بیرنگی ایہیں رنگ دے اندر سچل آپ رلایا ہے

Gul Hayat Institute

نہ عشق کا تو شناسا نہ ہجر کی ہے خبر
جو ہم سے پوچھو تو اس زہر میں نہیں ہے ضرر
نہیں کہ سوزِ محبت گیا ہے جاں میں اُتر
گذار یار کی خدمت میں جان و دل مت ڈر
نہیں ہے خواب نہ آرام، عشق کا ہے اثر
کہ شہر والوں نے تم کو کیا ہے شہر بدر
اور انتظار کرو تم سچل کا شام و سحر

اس پھیلے سنسار میں یار تماشا دیکھنے آیا ہے
رنگوں کے اس میلے کو کیا یار نے رنگ لگایا ہے
آؤ سکھی ری جھومر ڈالو یہ منظر خوش آیا ہے
دلبر لاکھوں پھیرے دے اور کیسا ناچ نچایا ہے
ان رنگوں میں بیرنگی کو سچل اس نے ملایا ہے

Gul Hayat Institute

عشق ڈتا احوال جنہاں نوں برہ کیتا بے حال تنہاں نوں
سودا سر دا سور یہیں کیتا ہویا مُٹرن محال تنہاں نوں
ہر دو جہان کوں پٹھی ڈیون ہویا خاص خیال تنہاں نوں
جیہڑے سدھ سبھائی چھوڑن کیتا نینہہ نہال تنہاں نوں
جیہیں کوں شوق محبوب ملن دا جیون انتھ جنجال تنہاں نوں
سچل سائیں جیہیں نوں ملیا حاصل ہویا حال تنہاں نوں

ہر جا حکم ہلائیں توں یار، بھلا بھلا
جوگی تھی کر جگ وچ آکر انگ بھبھوت رمائیں توں
رنگا رنگی ویس جو کر کے پھیرا تھاں چمکائیں توں
جو بن جلوہ کر کے آندیں آپ پنجیں پنجوائیں توں
نعرہ مار انا الحق والا بر سرِ دار چڑھائیں توں
آپ کوں آپے ڈے کے ڈکھلے سچو ناں سڈائیں توں

Gul Hayat Institute

عشق دکھائے حال جنہیں، ہجر کرے بے حال انہیں
جنھوں نے سودا سر کا کیا مڑنا ہوا محال انہیں
دونوں جگ ہی چھوڑ دیئے تیرا خاص خیال انہیں
جو سب کچھ ہی چھوڑ گئے پریم نے کیا نہال انہیں
جن کو شوقِ وصال ہوا جیون ہے جنجال انہیں
سچل سائیں ملا جنہیں کر گیا صاحبِ حال انہیں

ہر جا پر تو اپنا بھلا سا حکم چلائے
جوگی بن کر جگ میں آئے انگ بھبھوت رمائے
رنگ برنگے بھیس بدل کر جگ کو تو چمکائے
حسن کا جلوہ آپ کرے خود ناچے اور نچائے
نعرہ مار انا الحق والا تو سولی پہ چڑھائے
آپ ہی دیکھے روپ اپنے اور کیا کیا تو کہلائے

Gul Hayat Institute

تیڈیاں چشماں کیتا چُور　　کہیں کوں آکھاں گالھ ایہیں حال دی

بُلھے شاہ کوں بیراگی کیتونی جیہیں دا شہر قصور

نازنیناں دے نال پیارا سُولی چاڑھیوئی منصور

سرمد نوں لت ڈے کہایوئی ورہ نیستا وَ هلور

شمس الحق دی کھل کھلایوئی مُلکیں وچ مشہور

قتل تاڈا انہاں قبولیا جو ہوندے وچ حضور

سچو حیرت دے وچ ہوویں ہئے محو کریں مذکور

کڈاں شاہ امیر بنیندا اہیں کڈاں پیر فقیر سڈیندا اہیں

کڈاں آپ وچ صلح کریندا اہیں کڈاں آپے نال لڑیندا اہیں

کڈاں ہو کا سچ بھریندا اہیں کڈاں سُولی اُپر چڑھیندا اہیں

کڈاں کفر ایمان منیندا اہیں کڈاں آیت مصحف پڑھیندا اہیں

کڈاں سچل، حاکم ہوندا اہیں کڈاں آپے دُہل وجیندا اہیں

Gul Hayat Institute

کس کو بتاؤں حال کہ تیرے نیناں کر گئے چوُر
بیراگی کیا بُلھے شاہ کو جن کا شہر قصوُر
ان نینوں کے کارن سُولی پر لٹکا منصوؔر
سرمدؔ کو بھی تو نے دار پہ وارا اے مغرور
شمس الحق کی کھال کھنچا دی جگ میں ہے مشہور
موت انہیں منظور ہوئی یہ، تھے جو ترے حضور
سچوؔ اس حیرت میں رہنا بھول کے سب مذکور

کہیں شاہ امیر بنے ہو تم کہیں پیر فقیر ہو بن بیٹھے
کبھی کام ہے صلح صفائی کا کبھی خود سے کرتے ہو جھگڑے
اعلان کہیں پر سچ کا ہے کہیں سولی پہ ہو لے جاتے
کبھی کفر ایمان کی باتیں ہیں کبھی آیت مصحف ہو پڑھتے
سچلؔ وہ کبھی تو حاکم ہے کبھی گلے میں ڈالے ڈھول پھرے

Gul Hayat Institute

بول پکھی پردیسڑا ڈسے توں کیہڑے دیسوں آوندا ایں
مونہہ وچ مرلی پیریں گھونگھرو گلی گلی دو دجاوندا ایں
اُٹھوں آیا ہیں پیردل ننگڑا اِتھاں پادر پاوندا ایں
جڈاں توں آیوں ڈھوندھ محل وچ تڈاں کیا کجھ کھاوندا ایں
جڈاں توں آیوں مدگھر وچ وعدہ نت بُھل جاوندا ایں
'لالہ' 'موہن' لج نہیں آوندی ذرہ نہیں شرماوندا ایں
سچو ذات صفات دے اندر سبھوں آپ سماوندا ایں

نیناں دی میں ماری ... ماری ہو ہو نیناں دی
عاشق بانہاں بدھ کراہن کھڑا کریندا زاری
میں ایانی، نیونہہ کیا جاناں، برہ چاڑھیو میں باری
میں نمانی کوں مژگاں والا کیبر ماریوئی کاری
سچو آکھ سیاں دے اگوں حال حقیقت ساری

Gul Hayat Institute

بول رنگیلے پنچھی پردیسی تو کون سے دیس سے آیا ہے
لبوں پہ مُرلی پاؤں میں گھنگھرو گلی گلی کیا گایا ہے
وہاں سے ننگے پاؤں آئے اب کیا ان میں سجایا ہے
دھندھ محل میں آیا ہے وہاں کیا کیا تو نے کھایا ہے
وہاں سے اس گھر میں آئے تو وعدہ روز بھلایا ہے
لالہ ”موہن“ شرم نہ آئے تو نہ ذرا شرمایا ہے
سچو ذات صفات کے اندر وہ خود ہی تو سمایا ہے

نینوں کی میں ماری ہائے ہائے نینوں کی میں ماری
باندھ کے ہاتھ کھڑا ہے عاشق کرے ہے نالہ و زاری
میں معصوم ہوں عشق نہ جانوں، برہا بوجھ ہے بھاری
مژگاں والے نے بے بس پہ وار کیا ہے کاری
سچو سکھیوں پاس کہو جا حال حقیقت ساری

Gul Hayat Institute

کیوں کاغذ کیتائی کارا ہائے ہائے دے یارا
عالم سارے کوں مسئلے والا سبق پڑھایوئی سارا
کیتوئی مونہہ کتاباں ڈھوں بھل گیوں بے چارا
بیاں گالھیں سبھ چھوڑ کراہن دو راہ گھنیں ونجارا
کیہہ کر گالھ الست والی، وسر گیوئی وے سارا
ورد وظیفے دا راتیں ڈیہاں کریندائیں لکھ شمارا
سچل یار سجن دا ڈیکھو ہے تاں محل مچارا

الٹ بازی گر ویکھو عشق دیاں الٹیاں بازیاں
برہ دیاں باتاں سنوسیاں تن من اندر تازیاں
علم حقیقی عاشق جانن، کیا جانن ملاں قاضیاں
محبت دے میدان وچوں گوئے چاتی کنہاں غازیاں
سچل ہر دم در اللہ دے کردا سو لکھ آزیاں

Gul Hayat Institute

ہائے ہائے کاغذ کیوں کالے کرتا ہے میرے یارا
کُل عالم کو سبق پڑھایا مسئلوں والا سارا
وہ تو کتابوں میں کھویا ہے رستہ بھول بیچارا
سب باتوں کو چھوڑ کے اپنی راہ پہ چل بنجارا
روزِ ازل کو یاد تو کر کیا بھولا عہد وہ سارا
وِرد وظیفے شام و سحر معمول بنے ہیں تمہارا
یار سچلؔ ساجن کا دیکھو اونچا محل منارا

اُلٹا بازی گر ہے دیکھو عشق کی اُلٹی بازی
کتھا برہا کی سُن سُن کر تن من میں لہر ہے تازی
علم حقیقی عاشق جانیں نہ جانیں مُلّا قاضی
گوئے محبت لے گیا اس میدان سے کون سا غازی
سچلؔ ہر دم در اللہ کے کرے ہے عرض نیازی

Gul Hayat Institute

دم اللہ وسدا ملکھ ربانی، سُن میاں تانی، نہیں دل رانی، تیں کیہڑا جھگڑا لایا

اوّل عشق اللہ نوں ہویا جنھے رسولؐ اُپایا

دوجا عشق محمّد نوں جنھے کلمہ پاک پڑھایا

تیجا عشق چونہہ یاراں نوں جنھاں صدق خوب کمایا

ہک دیہاڑے مُرشد مینوں آپ اینویں فرمایا

ایہو طریقہ وحدت والا، سانوں بہوں خوش آیا

کھیڑیاں نال گذارم ڈیہنڑے ہُن ویندی آں رانجھن یار ڈھوں

میں موئی دی ہن دل شاد ہوئی گھلیا واتیڈا ادیں پیار ڈھوں

اس جگ دیاں جایاں چھوڑ کے کھدیاں سچے اسرار ڈھوں

توں سیں ہیناں سبھے اتھ جاتوں دیر نہ پوسے دلدار ڈھوں

کیتے تائیں اتھ مہجور ہوسیں آیا پا ہندی اصل اسرار ڈھوں

بھگے شک سچو دے غیر کنوں دل اپنی اعتبار ڈھوں

Gul Hayat Institute

سُن میاں قاضی، دل نہیں راضی، کیا جھگڑا ہے لایا
اوّل عشق ہوا ہے رب کو جس نے رسولؐ اُپایا
دوئم عشق محمدؐ کو جس کلمہ پاک پڑھایا
اس کے بعد ان چاروں یاروں نے ہے صدق کمایا
اک دن میرے مُرشد نے مجھ سے ایسے فرمایا
یہی طریقہ وحدت والا، خوش ہو کر اپنایا

دن کھیڑوں سنگ کئی گزارے اب ملوں میں رانجھن یار سے
میں درماندہ شاد ہوئی آئے جھونکے جب اس یار سے
اس جگ میں کیا دل کو لگانا، نہیں چھوٹی ہیں اشرار سے
اس کا ٹھکانا افضل ہے چلوں چل کے ملوں دلدار سے
ہجر میں کب تک جان کھپاؤں دور رہوں اسرار سے
واقف ہوا اعتبار سے اپنے اور سچو کے اغیار سے

Gul Hayat Institute

رانجھن چاک سڈایا کہیں نوں کوک سناواں
عبرت وچ ادہیں دے آہس جیہیں تختوں جھنگ پچایا
آدم دا کر جوڑ آئینہ آپ کوں ڈیکھن آیا
آہا شاہ، مخیاوت چا کر ایہو تاں ہنسر ہلایا
بازیگر بھی بازی کھیڈے بازی سیل بنایا
ظاہر باطن رسم اوہیں دا کیتس کو نہ کنایہ
سمجھ سچو ہر ہک وچ سائیں جیں ڈیکھ تماشا لایا

کتھ بابل کتھ مائی سیونڑی ہیں تاں رانجھن دے لڑ لگیاں
ہیں تاں رانجھن یک تھیوسے کھیڑیاں نال جدائی
بیلے ویلیاں رانجھو والے چھوڑ بیانی شاہی
بنی ہرکائی ماہیو جائی، ہیر عشق دی جائی
سچو آکھے سوز ماہی دا ڈیندا عشق گواہی

Gul Hayat Institute

کس سے کروں فریاد کہ رانجھن خود چاکر کہلایا
یہ بھی سوچو کیسے تخت ہزارے سے جھنگ آیا
آدم کے شیشے میں دیکھو خود کو دیکھنے آیا
اس کا فن ہے راجہ تھا وہ ادر چاکر کہلایا
وہ بازیگر، دنیا کو ہے بازی گاہ بنایا
ظاہر باطن اسم اسی کے کوئی نہیں کنایا
سچو، سائیں ہر شے میں، پر کیسا کھیل رچایا

میں رانجھے کی ہیر اب کوئی بابل ہے نہ مائی
میں اور رانجھا ایک ہوئے کھیڑوں سے ہوئی جدائی
رانجھن کے سنگ جاؤں گی میں چھوڑ بیانی شاہی
ہر کوئی ماں پیے جایا لیکن ہیر ہے عشق کی جائی
سچو کہے کہ سوز ماہی کا عشق کی اصل گواہی

Gul Hayat Institute

نہ جاناں نہ جاناں جوگی کیہے دیسوں آیا
اگے کڈاہاں نہیں سوڈٹھم صورت تاں نہ سنجاناں
کیوں کریندا سُتُوں نی سیّاں نال میڈے کیہا ماناں
گل دنج کفنی دست پہوڑا آ دَ یلیندیاں بھاناں
میں ادبو ای رانجھن آہس نیڈے در تے دکاناں
مہنے طعنے سب لوکاں دے سچو ساہ سیباناں

کیا تھیوای دو کیا تھیوای آکھ سیّاں کوں کیا تھیوای
راتیں ڈیہناں رودن تیکوں کوئی پورپریں دا بیوہ ای
دوستی دی گالھ وچوں ٹری آکھ تاں کیا ڈٹیوہ ای
اساں سیالیں وچوں باہر نیئی ایں کیا کیتوای ٹُسی کیا کیتوای
نصیحت اساڈی توں نہیں منیندی ایں ہوش ساڈا اُہن گیوای
سچو پریں دے پار کنوں ساکوں ایہا سیتہا عشق آیوای

Gul Hayat Institute

جوگی کون سے دیس سے آیا میں نے یہ نہ جانا
پہلے کب دیکھا تھا اس کو میں نے نہیں پہچانا
مان کرے کیوں مجھ پر سکھیو، مجھ کو یہ سمجھانا
گلے میں کفنی ہاتھ میں پھوڑا اس نے کس کو پانا
میں وہی رانجھن جس کا نصیبہ در تیرے پہ بک جانا
بول سُننے وہ مشکل ہو گیا سانس کا آنا جانا

کیا گذری ہے تجھ پر اپنی سکھیوں کو ہی بتا
شام و سحر رونے میں گذریں لگا ہے غم تجھے کیا
عشق کے سودے میں ری سکھی کیا تو نے لیا کما
باہر ذات سیال سے نکلی کیا کیا تو نے کیا
بات ہماری کوئی نہ مانی بیٹھی ہوش گنوا
پریت نگر سے ملا سندیسہ عشق ہے تری دوا

Gul Hayat Institute

رانجھن لے چل اپنے نال
نہیں تاں مرمر جاندیاں وو الا

عشق تساڈے ماریا نعرہ   جھنگ سیال بھی چھوڑنم سارا
تخت ہزارے آندی آں وو الا

تیڈے یکنے بھیاں اُداسی   ویس وگا سبھ رنگ سناسی
بھوں بھوں اتھ ماندی آں وو الا

درد فراق جو میکوں ماریا   خویش، قبیلہ، وطن وساریا
خون جگر دا کھاندی آں وو الا

توں تاں میڈے دل دا جانی   عشق گھتی ہے گل وچ گانی
جوگن تھی کر گاندی آں وو الا

گھت جدائی میکوں نہ ماریں   سچو، سائیں توں نہ وساریں
پاندھی وچ پاندی آں وو الا

Gul Hayat Institute

رانجھن لے چل اپنے ساتھ
نہیں تو جان سے جاتی ہوں ــ واللہ

تیرے عشق نے نعرہ مارا　　جھنگ سیال بھی چھوڑا سارا
تخت ہزار سے آتی ہوں ــ واللہ

تیری خاطر پھروں اداسی　　بھیس بدل کر بنوں سناسی
جان کو یہاں کھپاتی ہوں ــ واللہ

دردِ فراق نے مجھ کو مارا　　بھولی وطن قبیلہ سارا
خون جگر کا کھاتی ہوں ــ واللہ

تو ہے میرے دل کا جانی　　گلے میں تیری پیار نشانی
جوگن بن کر گاتی ہوں ــ واللہ

مجھے جدائی سے نہ مار　　سائیں مت بن بھولن ہار
میں فریاد سناتی ہوں ــ واللہ

Gul Hayat Institute

ساڈے گھر آیا..... آیا سوہنا، سدا آیا
اپنا وعدہ آپ پالیونیں اساں تاں درشن پایا
دِسر گیوسے فلک، ہجر دا گل سجن چا لایا
معاف مدایاں سب کیتونیں یار سانوں پرچایا
آنگن میڈے ٹر آیا سو یلے مولیٰ محب ملایا
سچل جیہیں دا سگ ہے اصلوں سر میڈے اُول دا سایہ

پہلے وسدا رانجھو یار اساں نمانیاں نوں اللہ بلیندا
تہیں دے عشق آرام ونجایا گیا سو صبر قرار
ڈُونہیں جہانیں وچوں یار سجن دا عشق کیتم اختیار
رانجھن جیہا ہور نہ کوئی بیئے کھیڑے لکھ ہزار
آنگن اساڈے جے رانجھن آوے دل تھیوے باغ بہار
ہے سچو کوں سوہنے باجھوں رووں زار و زار

Gul Hayat Institute

وہ دلبر وہ جانِ جاناں، گھر میں ہمارے آیا
خوب نبھایا وعدہ اس نے، ہم نے درشن پایا
ہجر کا دشت بھی بھولا جب ساجن نے گلے لگایا
سارے معاف گناہ کیے اور دل میرا بہلایا
آئے تڑکے آنگن میں مولا نے محبّ ملایا
سچل میں سگ جس در کا اس کا میرے سر سایہ

ربّ سے آپ ملائے ہم کو ملے جو رانجھو یار
عشق تنا، آرام بھی لے گیا، لے گیا صبر قرار
دونوں جہان سے چنا ہے ہم نے تیرا عشق اے یار
رانجھن کا نہیں ثانی کوئی، کھیڑے لاکھ ہزار
رانجھن آئے گھر میرے جو، دل ہو باغ بہار
لیکن وہ نہ ملے تو سچو رونا زار قطار

Gul Hayat Institute

جڈاں سمجھ پئی ہے دل کوں تاں ایہہ جگ سارا ہیں ای
جھنگ سیال بھی سیر اساڈا تخت ہزارا ہیں ای
ہر کہیں طرفیں دیکھ ونجایا عشق نغارا ہیں ای
محبت دے میدان دے اندر ماریا نعرہ ہیں ای
دل وچ دھماں عشق مچایاں نت چمکارہ ہیں ای
ڈوہاں جہاناں دے وچ سچو ہاں بے چارہ ہیں ای

سوہنے نال اساڈیاں اکھیاں اڑکن ہو اڑکن
غمزے رمزے یار سجن دے کڑکن ہو کڑکن
در تیڈے کنوں عاشق شودے پھڑکن ہو پھڑکن
سوز تیڈے کنوں برہے والے بھڑکن ہو بھڑکن
عشاقاں دے سر سولی تے لڑکن ہو لڑکن
برہا دیاں بھاہیں سجل دل وچ بھڑکن ہو بھڑکن

Gul Hayat Institute

جان لیا جب دل نے تب سے یہ جگ سارا میں ہوں
جھنگ سیال بھی شہر ہے میرا تخت ہزارا میں ہوں
چاروں کھونٹ میں دیکھ بجایا، عشق نقارہ میں نے
منزلِ عشق پہ جا پہنچا تو نعرہ مارا میں نے
دل میں عشق نے دھوم مچائی نِت چمکارہ میں ہوں
دونوں جہاں میں سچو لیکن اِک بے چارہ میں ہوں

سوہنے سنگ ہماری آنکھیں اڑکیں ہو اڑکیں
یار سجن کے عشوے غمزے کڑکیں ہو کڑکیں
ترے در پہ ہجر کے مارے پھڑکیں ہو پھڑکیں
ہجر کے سوز سے تیرے عاشق دھڑکیں ہو دھڑکیں
عاشقوں کے سر سولی اوپر لٹکیں ہو لٹکیں
سچل ہجر کے شعلے دل میں بھڑکیں ہو بھڑکیں

Gul Hayat Institute

نیناں دی عجب نگاہ دل ول ہوندیاں ہادی دے نال
ہادی سانوں سدّا ایہیں دی ایہا ڈکھائی راہ
اِتھاں پھیریاں ڈے کر رہیاں آپ لہاں ہر گاہ
کِتلے تائیں نظر نہ آیا بن اللہ آگاہ
اکھیاں دے وِچ سب کجھ آہا متاں تھیویں گمراہ
سچل تیتھوں رمز ڈکھالی، ہادی تھیا ہمراہ

اوہی اندر اوہی باہر اوہی آہا مُو بمُو
ہر کہیں جا ظہور تہیں دا ہر کہیں کوچے سُو بسُو
آپ پھریندا لکھیں لباساں ہر کہیں خانے خُو بخُو
اوہی روندا، اوہی ہسدا صاحب سوائی ہُو بہُو
وَهُوَ مَعَکُم ایہا بشارت جانب وسدا جُو بجُو
آپ کنوں کڈاں خیال نہ باہر سچل بہندا رو برو

Gul Hayat Institute

نین نہ بھولیں اس کا نظارہ واہ ہادی کی نگاہ
مرشد نے یہی راز بتایا، یہی دکھائی راہ
جو بھی جگ میں کیا ہے اس پہ ہو گی آہ یا واہ
بن اللہ کوئی نظر نہ آیا، جس کو کہیں آگاہ
آنکھیں سب کچھ جان گئی ہیں مست ہونا گمراہ
راز کی بات بتا دی سچل مرشد تھا ہمراہ

اندر وہ ہے باہر وہ ہے وہ ہے میرے مُو بمُو
ہر جا جلوہ اس کا ہے ہر کوچے میں اور سُو بسُو
لاکھوں اس کے بھیس ہوئے ہر اک لیکن خُو بخُو
وہ روئے اور وہی ہنسے ہے صاحب سارا ہُو بہُو
وَھُوَ مَعَکُمْ، ہوئی بشارت وہ رہتا ہے جُو بجُو
سچل اس کا دھیان ہے ہر دم وہ بیٹھا ہے رُو بُرو

Gul Hayat Institute

نور بھریا رُخ پیارے دا اُلا پیارے دا دلدارے دا
میں نمانی ہیر جٹی توں صاحب تخت ہزارے دا
سوہنا مینوں اینویں بھاندا جیویں گل ہزارے دا
وڈڑے ویلے جو شاہ ملیا تھیا سبب ستارے دا
مستاں نوں سرمست جو کیتوای سچو کون بچارے دا

رانجھن نوں پرچائیں کھیڑا رُٹھا تاں گھولیا وو
میں رانجھن دی رانجھن میڈا کھیڑا کون بلائیں
لوکاں لیکھے چاک مجھیں دا رانجھن سر دا سائیں
نال رانجھن دے کیوں نہ چراواں مجھیاں کٹیاں گائیں
ساہ سچو دا سوہنل کیتے منگدے بہوں دعائیں

رانجھو کھیڑا ڈوہیں میں ہاں ہیر رہی وچ کتھے کتھے
جھنگ سیال تے تخت ہزارا ڈوہیں ڈٹھم اتھے ایتھے

Gul Hayat Institute

دلدار کا میرے پیارے کا، رُخ نور منور پیارے کا
میں عاجز جٹی ہیر اور تو ہے صاحب تخت ہزارے کا
مجھے یار سجن یوں لگتا ہے جیسے ہو پھول ہزارے کا
جو نورِ سحر میں شاہ مِلا، تھا کام وہ صرف نظارے کا
جہاں مست ہوئے سرمست وہاں کیا حال محمدؐ بے چارے کا

کھیڑا روٹھا، صدقے کردوں میں رانجھن کو پرچائیں
میں رانجھن کی رانجھن میرا کھیڑے کون بلائیں
لوگ کہیں لسے چاک مہیں کا میرے سر کا سائیں
سنگ رانجھن کے کیوں نہ چراؤں مجھیاں، کٹیاں گائیں
سچل اس کے دم سے دم ہے مانگوں بہت دعائیں

رانجھو کھیڑا دونوں ایک تھے رہ گئی ہیر سیال کہاں
جھنگ سیال اور تخت ہزارہ دونوں دیکھے ایک جہاں

Gul Hayat Institute

اساں پیو سے ونج اٹھائیں ناں نہ کہیں دا تِھتے تِھتے
گم ہوئی بھی ہیر اٹھائیں موج وڑھی آہی جِتھے جِتھے
پنجو صاحب ہکو آہا وال نہ کائی دِتھے دِتھے

چھوڑ بابانی شاہی ووئیں وطن رانجھو دے ولیاں
ہٹکے ہوٹرے بابل بھائی متاں ڈیوے سانوں مائی
سٹ کھیڑے نھیساں راہی وو
سبھ سہیلیاں رل کر آندیاں تھی ایلازی پلو گل پاندیاں
گھن متیاں تھی ڈاہی وو
اوراں دے نال ماہی کیویں مٹھاں طرف رانجھو دے گھنیاں پٹھاں
گھن کے قلم سیاہی وو
پنجو دی دل تھی اداسی بے وس ہو کے پھرے سیناسی
اصل کنوں اینویں آہی وو

Gul Hayat Institute

جاکے بسے پھر اس کے دوارے جہاں نہ نام نہ کوئی نشاں
وہیں پہ ہیر تمام ہوئی تھی ڈوب گئی تھی موج جہاں
سچو، صاحب تو یکتا تھا رہا نہ فرق فراق وہاں

رانجھو سنگ میں جاؤں گی ہاں چھوڑ بہانی شاہی وو
روکیں ٹوکیں بابل بھائی اور سمجھائے ہم کو مائی
چھوڑ کے کھیڑے ہوں گی راہی وو
سب سہیلیاں مل کر آئیں گلے میں پلو ڈال سنائیں
چھوڑ دے راہ اس میں ہے تباہی وو
ان سنگ ماہی کیوں جانے دوں رانجھے کو پھر چٹھیاں بھیجوں
قلم پکڑ کر لے کے سیاہی وو
سچو کے دل میں ہے اداسی بے بس ہو کر پھرے سنیاسی
وہ تو ازل سے تھا ایسا ہی وو

Gul Hayat Institute

میں تاں پھردی وتدی آں تیڈڑے نال
توں تاں تخت ہزارے دا سائیں میں تاں ہیر سیال
پائے رکاب تساڈی ہوساں، جیجے تیہے حال
توں تاں بے پرواہ جلیندائیں ساڈی جوشاں دے وچ جال
اپنے درد دا دلبر سائیں سچو سنگ سنبھال

دولہن سائیں نہیں دلیاں کنوں دور، وو رانجھن سائیں
لُوں لُوں دے وچ ماہی وسدا نیناں دے وی حضور
ہردم حاضر ناظر ہیں ای یک مُو فرق نہ مُور
ڈس ایہو ای ہادی والا نورؒ علیؓ نور
بات برہ دی آکھن مشکل، سچو رہنا صبور

میں ماہی دی مستانی وسدا دل وچ دلبر جانی
برہ دے غمزے سوتیں ہزاراں گھتیو ای مارا خوانی

Gul Hayat Institute

میں تیرے سنگ گھوم رہی ہوں گھومتی ہوں ہر حال
تخت ہزارے کا تو سائیں میں ہوں ہیر سیال
تیرے سنگ رہوں گی میں تو بُرے بھلے ہر حال
بے پرواہ تو، میرے چاروں اور ہے دُکھ دھمال
تیرے در کا کتا پچّل سائیں اسے سنبھال

دولہا سائیں، رانجھن سائیں، دل سے نہیں تو دُور
روم روم میں رہتا ہے اور نینوں کے بھی حضور
ہر دم حاضر ناظر دیکھوں یک مُو تو نہیں دور
یہی تو دم ہے مرشد والا، نورٌ علےٰ نور
بات برہا کی کہنا مشکل پچّل رہ مجبور

دل میں بسے ہے دلبر جانی میں ماہی مستانی
بے حد دکھ برہا کے مجھ کو مار گئے اغوانی

Gul Hayat Institute

عاشق ہوویں تاں سر ڈیویں گا لھ ہیئ مردانی
دائم دل وچ پاویں جھاتی، رمزلیئ روحانی
جان سچو بن عشق رانجھن دے ڈوجھی سبھ نادانی

روح رانجھو دے رمزاں لُٹیا کھیڑے کنوں بےزاریاں
ماہی دے مہنے جھولی جھلم چا تم سبھ خواریاں
میں تاں رہ گئی کول اوہیں دے محبت دی متاریاں
ہووان کنیزک، ہاتھوان بدھ کر، پا پلو کراں زاریاں
آتن وچوں طعنے ڈیون بڈھیاں توڑے کنواریاں
لوکاں لیکھے چاک مجھیں دا میں تاں صدقے واریاں
لیسی گل اوہو جیں دے کارن وچ غماں دے گذاریاں
ساڈ گھتاں پچھے چرخے کوں میں تاڑیاں مُنیاں اُڈاریاں
سچو چھوڑ گیاں سبھ سیالیں رانجھو پچھے میں قطاریاں

Gul Hayat Institute

عاشق ہو تو سر دے دینا بات ہے یہ مردانی
دائم دیکھو شیشۂ دل ہے رمز اس میں روحانی
سچو عشق ہے رانجھن کا اور باقی سب نادانی

روح میری رانجھے پہ فدا ہے کھیڑوں سے بے زاری
میں جھولی میں ڈال رہی ہوں سب طعنے سب خواری
رہ گئی اس کے ساتھ ہی میں تو پیار نے وہ مت ماری
باندی بن کر گلے میں پلو، کرتی پھروں میں زاری
چرخہ کاتوں طعنے دیں کیا، پیسہ ہے اور کنواری
دنیا جانے چاکر اس کو، میں اس پہ ہوں واری
آ سینے سے لگائے گا وہ، جس کے غم میں گذاری
راکھ کروں چرخے کو جلا کر منیاں اور اڈاری
چھوڑ گئی ہیں سبھی سیانیں میں رانجھو راہ قطاری

Gul Hayat Institute

چھوڑ کے جھنگ سیال وے رانجھو وینداد رمز دلائی
پار دریاؤں جھوک رانجھن دی، رانجھو مجھیں دا مہینوال وے۔ وینداوک چھپائی
سانوں جوگی جادو لایا، ویکھ مرلی دی تال وے۔ وینداموہنہ چلائی
اکھیاں سوہنے دیاں بلن مشالاں، چنگن ہٹوپٹوال وے۔ چھپٹے اندر عشق سمائی
سچو جنج کھیڑیاں دی آئی، کھیڑیاں کنوں بھی خیال وے، مولا محب ملائی

جھنگ سدا خوش ہوسوں سوہنیاں دے نال
ناں سائیں دے، سوہنا سائیں درد وچھوڑے دا وال
حیرت دے وچ پے گیوے ویکھ چاکاں دی چال
اوڑے باڑے چری آکھن پے گئی اے کیہڑے خیال
عمر بھائی یار سچو دی برہا کیتس برحال

تخت ہزارہ چھوڑ چھوڑ آیا ماہی میڈے سانگے
اکاں لیکھے چاک مجھیں دا، میڈے لیکھے حق توڑ آیا

Gul Hayat Institute

رانجھن رمزیں نئی سُجھائے چھوڑ کے جھنگ سیال، رمزیں نئی سجھائے
پار ندی کے جھوک ہے اس کی بنا ہے وہ مہینوال، لوگوں سے چھپ جائے
ہم پہ جادو کر گئی اس کی مُرلی کی ہر تال، ایسی تان اڑائے
زلف اڑتی ہے آنکھیں جیسے روشن کوئی مشال، چوٹ پیار کی کھائے
کھیڑوں کی بارات ہے آئی، سچو کر و خیال، مولا یار ملائے

سدا رہوں خوش جھنگ، اگر جاناں ہے شریکِ حال
نامِ خدا وہ ورق جدائی کا کر دو پامال
ہم حیرت میں ڈوب گئے چاکوں کی دیکھ کے چال
ایرے غیرے کہیں دیوانی، کس کا اسے خیال
ساری عمر تو یار سچل برہا نے کیا بے حال

دلبر میری خاطر اپنا تخت ہزارہ چھوڑ آیا
لوگ کہیں اسے چاکر، میرا حق سے رشتہ جوڑ آیا

Gul Hayat Institute

تخت ہزارے دا جگی آیا، بیاں کنوں مونہہ موڑ آیا
اساں تے ایتھا ہک تھیوے ذات کھیڑیاں دی بوڑ آیا

رانجھن ویہڑے آیا ہے ہُل پیا وِچ کُل بیالیس
گل وِچ کفنی، ہتھ بہوڑا تہیں کیا بھیکھ بنایا ہے
جیڈے تیڈے رانجھن سائیں کھیڑا کہیں کھڑایا ہے
ایڈوں اوڈوں سیاں آکھن چوچک چاک بنایا ہے
صورت دے وِچ سچّڑ سائیں آ کے آپ سمایا ہے

بھلا جانی کیہیاں تیں سانوں تاہنگاں لائیاں
ہک بئے پچھوں حسن دیاں فوجاں ویکھو چڑھ چڑھ آئیاں
آون دیاں وت دیس اساڈے تھیّاں سوہنے دیاں وایاں
وڈڑے ویلے ویلیاں اُتھائیں جتھے سوہنے دیاں جایاں
ہر ہر عشاقاں نوں تساں سچل برہ پڑھائیاں

Gul Hayat Institute

جوگی تخت ہزارے کا سب اپنوں سے منہ موڑ آیا
مل اور رانجھو ایک ہوئے کھیڑوں کی آن کو توڑ آیا

شور مچا ہے جھنگ میں، رانجھن مہیت گھر میں آیا ہے
گلے میں کفنی، ہاتھ عصا یہ کیسا بھیس بنایا ہے
چاروں اور میں رانجھن دیکھوں کھیڑا نظر نہ آیا ہے
سکھیاں بولیں، پر چک نے رانجھن کو چاک بنایا ہے
پچو رانجھے کی صورت میں صاحب آپ سمایا ہے

جانی پیارے تو نے کیا کیا دل میں آس جگائی
موج کے پیچھے موج ہو جیسے، حُسن کی فوج ہے آئی
اپنے دیس میں اس کے آنے کی پھر خبر ہے آئی
صبح کو میں وہاں جاؤں گی جہاں اس نے جوت جگائی
تو نے سب عشاق کو سچل، ہجر کتاب پڑھائی

Gul Hayat Institute

ہُن کیوں کیتی ہئی بے پرواہی
عشق تاں تیڈے صبر دسارِیا خونی خنجر بھر کے ماریا
شاہد سارا جگ الاہی
آپ کوں چا دور کیتوئی دل اساڈی چا چور کیتوئی
من تیڈے وِچ اصل دی آہی
دامن تیڈڑے آمیں پئی آں جوش عقل کوں ونج پئی گئی آں
بخش گناہ اساکوں ماہی
در تیڈے تے لکھیں سوالی گل وِچ پہریم پہرن والی
سچو جیہے تیڈے لکھیں سپاہی

یار دے پاروں آئے، آئے ڈاہڈے ڈور اپّے
اِنھاں عتاباں سنوری سیاں عشق دے وِچ مچائے

Gul Hayat Institute

کیوں کی ہے بے پرواہی
تیرے عشق نے صبر گنوایا خونی خنجر دل میں مارا
شاہد سب جگ ہے الٰہی
ہم سے خود کو دور کیا، دل یہ چکنا چور کیا
تیرے اصل کی دل تھے گواہی
تیرے دامن آن لگی عقل سے کوسوں دور ہوئی
اب بخش دے میرے ماہی
تیرے در پر لاکھ سوالی پہنے ہوئے ہیں پہرن والی
ترے تجّو سے لاکھ سپاہی

یار کی خاطر کیسے کیسے طوفان ہم پر آئے
ان طوفانوں نے ہی عشق کے شعلے آ بھڑکائے

Gul Hayat Institute

خاطی دے ہتھوں آن مُنتوں جیں سبھ حال سنائے
نال سنن دے مونجھ دی پیو سے بر ہے بوڑ بچھائے
اوہیں دیہاڑے سچل نمانے انگ بھبھوت رمائے

لائی کیوں دل لائی تساں پردیسی نال
نال تیڈے میں اصلوں لائی تھیویں نہ توں دُکھی بھائی
یار مسافر چوٹک لائی مت تیکوں کیہی آئی
آون جاون دی سُدھ ناہیں دلبر دل گیا چائی
الٹ پلٹ دی گالھ ہے سچل سمجھ ایہا توں وائی

اساں یتیماں نوں کیوں وسار یوا ای
تیڈے ڈیکھن کیتے بہوں سکدی آں
کنھوں کوکاں کنھوں آکھاں سیف ہجر نال ماریو ای
دکھ ڈوراپے تیکوں ڈیساں جے دم نال گذاریو ای
یار سچل تیکوں مُکھ وکھلایا جیئیں کوں نروز پکاریو ای

Gul Hayat Institute

قاصد نے سب سخن تمہارے ہم کو آن سنائے
حال سنا تو کتنے گہرے زخم اس دل پر آئے
اس دن سے بیجل پھرتا ہے انگ بھبوت رمائے

آنکھ لگائی پردیسی سنگ کیونکر آنکھ لگائی
دُکھی نہ ہونا میں نے تو بس عشق کیا ہے بھائی
بار مسافر کر گیا وار اور سمجھ نہ تجھ کو آئی
سدھ بدھ بھولی جاتے یار کی جھلک نظر نہ آئی
الٹ پلٹ کی بات بیجل ہے، سمجھ لے تو نے پائی

ایک تمنا دید کی تھی پوری بھی نہ کی اور یار گئے
کس سے کروں فریاد وہ مجھ کو ہجر کی سیف سے مار گئے
مجھ سے پائے دکھ ان لمحوں جو تم یہاں گذار گئے
بیجل کب دکھلائے گا منہ جس کو ہم تو پکار گئے

Gul Hayat Institute

تیڈیاں اکھیاں لعلوں لال شوقی یار شرابی جھوندیاں
بانہاں بدھ کر دور کھڑ دون کیتی ڈیکھ کلال،
ڈیکھ پتنگ پرواز کریندے تیڈا مکھ مثال
دلیاں والے سودے دے وچ ڈو نہیں نین دلال
سچل صفت تمام نہ تھیوے پھر دی آں بئے تاں خیال

تخت ہزارے دا شاہ میاں رانجھا دامن تیڈے لگی ہاں
جوگی تھی کر پھرے سیلانی رہندلبے پرواہ میاں رانجھا
تیڈے باجھوں نال کھیڑیاں دے نہیں سوہیندا ٹھاہ میاں رانجھا
نال کرم دے دید مہر دی میں توں مول نہ لاہ میاں رانجھا
نام اللہ دے آپ سنجانیں سنگ سچو دا نباہ میاں رانجھا

تیں تے میڈڑی جان رانجھا ودتیں تے میڈڑی جان
عشاقاں توں دل کیوں چاتیوئی، عالم وچ گمان

یار شراب سے آنکھیں تیری لعلوں سے بھی لال
کیف ایسا کہ باندھ کے ہاتھ کھڑے ہیں دور کلال
تیری مکھ مشعل کو دیکھ کے پروانے بے حال
دل کے سودے میں تو دونوں نین بنے دلال
سچل صفت کریں کیا اس کی، دے نہ ساتھ خیال

تیرا دامن پکڑا ہے اے تخت ہزارے کے شاہ میاں رانجھا
جوگی ہے، بیلاتی ہے نہیں اسے کوئی پرواہ میاں رانجھا
تجھ بن کھیڑوں کے سنگ میرا ممکن نہیں نباہ میاں رانجھا
مجھ پہ کرم کر، مجھ کو عنایت مہر کی ایک نگاہ میاں رانجھا
نام خدا پہچان مجھے ہاں سچل سے بھی نباہ میاں رانجھا

تو میری ہے جان رانجھا تو میری ہے جان
منہ عاشق سے کیوں پھیرا دنیا کو ہے شک گمان

Gul Hayat Institute

جاندا ہیں توں ہیں تاں تیڈے قدماں توں قربان
راتی ڈیہناں دلڑی اساڈی درد کیتی دیوان
عشق تیڈے کنوں یار سچو دی ہوئی جند حیران

سانوں متیاں بہن دیاں نہ ڈیوو میں تاں جھوک ہاں دی جاندی آں
طعنے تہمت یار دے کرکے ہار گئی وچ پاندی آں
ڈسیاں انجھو نال میں بھساں کھیڑیاں وچوں نہیں جاندی آں
راتیں ڈیہناں یار دیاں گالھیں گلی گلی وچ گاندی آں
سچو رانجھن دل توں بھاندا ہور کہیں کوں نہ بھاندی آں

Gul Hayat Institute

تو جانے مجھے میں ہوں تیرے قدموں پر قربان
دل کیا ہے ترے ہجر کا قصہ درد کا اِک دیوان
یار سچل تیرے عشق میں میرا جیون ہے حیران

صبر کی مت تلقین کرو میں تو جھوک رانجھو کی جاؤں
طعنوں کے میں ہار پروؤں، اپنے گلے سجاؤں
سکھیو رانجھن سنگ رہوں میں کھیڑے چھوڑ کے جاؤں
آٹھ پہر میں اس کی یاد میں گلی گلی میں گاؤں
سچل مجھ کو رانجھا بھائے نہ ہی غیر کو من میں بساؤں

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

سی حرفی

الف آگ لگی سانوں عشق والی، قاضی اور گلاں وو ڈسیندا ہیں
ساڈی دل تاں تخت ہزارے ڈھوں مسئلے جوڑ کے آپ سنیندا ہیں
دنج بڈمر، ملاں منجھ لویں، کنوں راہ سچی ود گھسیندا ہیں
منگیں خیر کھیڑیاں دی، دو کیہڑی گالھوں انجھو یار اساں توں رسیندا ہیں

ب بحر برہ دے وو زور رکھیا میڈی ذات سیال سائی لڑھ گئی
کتھے جھنگ تے ننگ ناموس رہیا پچھے چاک دے بیں اجڑ گئی
دل دردمنداں دی جو بھاد والی حکماں حکم سا غمزے نال لئی
مہنے ماہی دے سے قبول کیتم، جے کائی بھونی ہائی بیچو سائی مٹی

ت ترک بہاڑے میثاق دے، میں تاں رہیاں ذات سیال کنوں
توبہ توبہ تے استغفار کیتم، خوشی نال کھیڑیاں دے خیال کنوں
ہک دم نہ فارغ میں ہوساں، جانی یار رانجھو دے وصال کنوں
ڈوجھی کار نہیں میڈی دل اتے، بیچو یار دی سار سنبھال کنوں

Gul Hayat Institute

ہمیں آتشِ عشق جلاتی ہے قاضی کیا سخن سناتا ہے
دل تخت ہزارے میں اٹکا، یہ مسئلے اپنے بناتا ہے
مُلّا پہ عذاب ہی نازل ہو، مجھے سچی رہ سے ہٹاتا ہے
کھیڑوں کی چاہے خیر، ہم سے رانجھے کا ساتھ چھڑاتا ہے

یہ سیلِ بلا تھا ہجراں کا ناموسِ سیالاں اس میں گیا
میں چاک کی خاطر اُجڑ گئی نہ جھنگ نہ ننگ ناموس رہا
پُرسوز تھا دل یہ پہلے ہی پھر عشق کا حکم بھی آ پہنچا
سچوؔ جو ہونا تھی ہو کے رہی میں نے ہر طعن قبول کیا

وہ روزِ الست تھا جب میں نے کی ترک یہ ذات سیال اپنی
کھیڑوں سے میں دامن کش گذری ان سے نبھنا تھی محال اپنی
اِک پل کے لئے بھی چھوٹے نہ رانجھو سے راہِ وصال اپنی
سچوؔ بن رانجھن کا رنہیں وہی سُر اپنا وہی تال اپنی

Gul Hayat Institute

ث ثابت ساڈڑی دل ہوئی راتاں ڈینہہ سیّاں رانجھے یار ڈھول
اوہیں دم لاکوں اج توڑی وکھو میڈا خیال تاں تخت ہزار ڈھول
"الستُ بکا" ڈوہیں ہک ہوسے ڈتم گوش اوہیں اقرار ڈھول
بھنا شک گمان سچو دا سارا دل آ بئی ایہیں اعتبار ڈھول

ج جند چھٹ گئی میڈی جھنگ کنوں ہتھ ڈوگیاں دو سیالیاں جی
لاہاں نال بنگھوڑا دو ساڈ دیاں گھتاں اگ دے وچ نہالیاں جی
سبھے جان رہوو دو خیال ایہو ہین چاک دے عشق دیاں چالیاں جی
سچو رکھ سنبھال توں جو ہے نی برہ والیاں گوڑھیاں گالھیاں جی

ح حال تے ہل ہے سیالیاں وچ چوچک کنے کیہا اج چاک کھڑے
غلبہ عشق اوہیں تے کیڈا کیتا نہیں ڈے جا بجا پھر دے پڑھے
سینگی ہیر سیال اساڈی آہی نہیں دے نال ایہیں دے وین اٹے
ڈوہیں ہر ناکاہ جو آ ڈیکھو محبت والے سچو کیڈے لڑھے چڑھے

Gul Hayat Institute

سکھیو مرا دل تو نہال ہوا دن رات ہے من میں رانجھن یار
اس وقت سے لے کر آج تلک دل میں ہے سمایا تخت ہزار
پابند ہوں میں نے جو بھی کیا تھا روزِ الست و بلیٰ اقرار
ٹوٹا ہے شک گمان سبھی سچو کا، ہے پکا قول قرار

ہاں جھنگ اور جھنگ سیالوں سے مری جان بچی میں بھرپائی
سامان جلا کر خاک کروں، لگے آگ بدن میں ہے آئی
اسرار و رموز یہ عشق کے ہیں کچھ تجھ کو بھی ان کی سمجھ آئی
یہ ہجر و فراق کی رمزیں ہیں سچو ہیں متاع تنہائی

چوچک نے چاک رکھا کیوں کر یہ پوچھ رہے ہیں سیال کھڑے
یہ عشق کا کیسا غلبہ ہے دیکھا ہے جسے ہر رہ میں کھڑے
ہاں ہیر سہیلی اپنی تھی پر بین اسی کے کہاں جا کے اڑے
سچو دیکھ محبت والوں کے سر کتنی اوج پہ آج چڑھے

Gul Hayat Institute

خ خویش قبیلہ ڈُھل گئے رانجھو نال میڈا ڈاہڈا خیال پیا
رنگپور کھیڑیاں دے وو شال کوئی سُناں ہیں تاں گھیڑا کال پیا
تھیوں غار سبھے وو غرق اُتھاں کیہا بھیڑیاں داد و بال پیا
اساں یار ماہی ڈوہیں ہک ہوئے ہر ویلے سچو وو وصال پیا

د دل ہک آہی ساڈی یار ڈھول ڈو جھی ہووے تاں لوہا میں عام ڈیواں
رہے ذات میڈی ساو ساڈی جھٹھ ہک واری ننگ نام ڈیواں
ساڈے طرف اُڈائیں ویندا کوئی نہیں جیکوں پتر والے پیغام ڈیواں
بانہاں بدھ بھوں ہیں زاری کراں سچو دوست ڈھولوں ہیں سلام ڈیواں

ذ ذات سیال ہیں مُنڈھوں نہیں کوں جوچک؟ تہیں دا اداج کیہا
جوئی نال ہک یار دے ہک جوئی تہیں دا آکھ قاضی، بیا کاج کیہا
جہیں کوں عشق رانجھو دے کڈھ نیتا تہیں کوں اوراں دا احتیاج کیہا
دل ہک آہی ماہی یار نیتی وت کھیڑیاں بھیڑیاں دا اوو ڈاج کیہا

Gul Hayat Institute

گیا بھول قبیلہ خویش ہمیں رانجھو کا ہر دم خیال رہے
سنوں خبر کہ رنگپور کھیڑے میں سدا قحط رہے اور کال رہے
ہو جائیں سارے غرق وہاں یا سب کے سر پہ وبال رہے
سچو یار اور میں تو ایک ہوئے دونوں کا سدا وصال رہے

دل ایک تھا نذرِ یار کیا، ہو اور تو اس کو عام کروں
اس عشق میں ذات گنوا بیٹھی کیا فکرِ ننگ و نام کروں
آئے نہ کوئی جائے نہ کوئی کیا پریت کا یہ پیغام کروں
سچو عرض میں باندھ کے ہاتھ کروں میں یار کو عرض سلام کروں

نہ ذات سیال رہی میری نہ میں جانوں جو چک راج ہے کیا
میں ساجن کے سنگ ایک ہوئی یہاں قاضی کا بھلا کاج ہے کیا
جسے اس کا عشق ہی لے کے اُڑا وہ اوروں کی محتاج ہے کیا
دل ایک تھا سے دیا ماہی کو کھیڑوں کو مجھ سے کاج ہے کیا

Gul Hayat Institute

ر ردر انجھڑے میں ہودہیاں کوئی ادر نظر نہیں آوندا جی
ندی دے کنارے وڈڑے ڈیلے ونجھلی سوز کنوں وو دجاوندا جی
اللہ آپ جانے ماہی یار مینوں بناں کل کنوں ادہو بھاوندا جی
اوہیں انجھو اوں سچو صدقے تھیواں انگن اساڈے جڈاں پیر پاوندا جی

ز زور گھتیا برہ بادی ڈاہڈا میں مست دیوانڑی ہو رہی
ہُن رنگ بھبھوت جو لا کھڑا دل ہائے دیوانڑی ہو رہی
رانجھو کتھا اساں وت کتھ رہے نینہڑے دی وو نشانڑی ہو رہی
اوہیں کیتے اداس بیراگ پھراں سچو مونجھ متانڑی ہو رہی

س سبھ سیاں لیں چھوڑ گیاں ڈیکھ ڈیکھ اساڈڑا حال وی
شرم بوڑ دیوانڑی ہو رہی گھدی رانجھو دے عشق کمال وی
راتیں ڈیہاں اوہیں وت چاک ڈھوں کھڑے دم بدم خیال وی
مت سیاں ڈڑی مول نہ گھنسی اوہا ولن پچھوں سچو بے مجال وی

Gul Hayat Institute

میں روبرو ہو گئی رانجھے کے مجھے اور نظر کیا آتا ہے
وہ ندی کنارے وقت سحر کس سوز سے بنسی بجاتا ہے
خود رب جانے کُل جگ اندر مجھے ایک وُہی تو بھاتا ہے
میں سچّو صدقے رانجھو پر جب میرے انگنا آتا ہے

اس ہجر نے زور وہ باندھا ہے میں مست دیوانی ہو کے رہی
وہ رنگ بھبھوت لگا آیا مجھ کو حیرانی ہو کے رہی
وہ اور کہیں میں اور کہیں بس پیار نشانی ہو کے رہی
سچّو اس کے لئے بیراگن ہوں غم میں مستانی ہو کے رہی

مجھے ساری سیالیں چھوڑ گئیں یہ دیکھ کے میرا حال ہے کیا
گئی شرم حیا، دیوانی بھئی رانجھو کا عشق کمال ہے کیا
شب و روز اسی میں غلطاں ہیں اس چاک کا حُسن خیال ہے کیا
سچّو اس کا مُڑنا محال ہوا سمجھائیں اسے یہ مجال ہے کیا

Gul Hayat Institute

ش شور جی عشق مچایا ڈاڈا ہن عقل دی ال دو صلاح کیہی
راہ عشق دی سچی تاں ہیں گھدی تساں سجھ آکھو ڈوجھی راہ کیہی
رانجھو یار میڈے سر دا سائیں کھیڑیاں بھیڑیاں ڈھوں نگاہ کیہی
پلیاں باہر ننگ ناموس کنوں ہن آکھ سچو دو پناہ کیہی

ص صدق ساڈا رانجھو یار ڈھوں نہیں کھیڑے بھیڑے کوں ہیں لیکھدیاں جی
نظر غیر دی اساں توں ٹٹ گئی جتھ کتھ ماہی نوں سو ڈیکھدیاں جی
سو رنگ دے وچ رنگ لاکھڑا دم دم کرنے لکھ ییکھدیاں جی
ہے مٹھیاں گوڑھیاں گالھیاں نی سچو سئیں اساڈے شیخ دیاں جی

ض ضرر کھیڑیاں دا دو میکوں نہیں رانجھو یار میںنوں گل لا رہیا
سنو سب سیالیاں لوں لوں سبھا جند جان دے وچ بیچ پا رہیا
کائی غیر دی جا نہ رہندی اتھاں سدایا دہو دو سما رہیا
سچو آپ سارا دو محیط تھیا جتھ کتھ دو جا سجا رہیا

Gul Hayat Institute

ہاں عشق کا شور ہے زوروں پر اب عقل کی کوئی صلاح نہیں
ہیں عشق کی راہ پہ چل نکلی کہو باقی کوئی راہ نہیں
رانجھو میرے سر کا سائیں ہے کھیڑوں کی اور نگاہ نہیں
سچو سچ بیٹھیں ناموس کو جواب ان کے لئے تو پناہ نہیں

مرا صدق و صفا تو رانجھا ہے کھیڑوں کی نہیں پرواہ کوئی
کوئی غیر رہا نہ آنکھوں میں اس بن نہ رہا اب شاہ کوئی
رنگ اس کا جدا سو رنگوں میں پل پل اس کا واہ واہ کوئی
سچو اس کی باتیں رمز بھری ہو جیسے سخن کا شاہ کوئی

کھیڑوں سے نہیں کوئی کام مجھے رانجھو نے گلے لگایا ہے
ایک ایک سیالن سن لے اب مرے روم روم میں سمایا ہے
کسی غیر کی جا نہ رہی کوئی مری روح پہ بھی وہ چھایا ہے
سچو مجھ پہ محیط ہوا رانجھو مرے سر پہ اس کا سایا ہے

Gul Hayat Institute

ط طلب میڈی رانجھو یار ڈھول کھڑا ہوسی ندی دے کنارڑے جی
عشق لاون کیتے ساڈے طرف سیاں آیا کنوں تخت ہزارڑے جی
چھبارا چھوڑئیں جھنگ آ کھڑا، اساں طالب مفت نظارڑے جی
خواہش آپ نیئں ڈیکھن سیالیاں دی ساڈا آپ نہیں اختیارڑے جی

ظ ظاہر ساڈڑا عشق تھیا میڈے پچھوں سیالیاں دھکی لائی
ڈیکھن آیا اساں جھنگ سارا آکھیں سبھ دیوانی ہوئی جائی
مائی باپ بنگھوڑے دے وچ نیکوں دعا ہیراں فقیراں توں منگی کائی؟
ایہو حال ہویا دو سیال تیڈا ایجھ رہ تساکوں الفی پائی

ع عشق دریا کیتی موج کھڑی کندھی ڈسدی اُتے نے کا نہیں
اندر شوق مچایا دو شور ڈاہڈا ایہیں زور جلن دی جا نہیں
ایہا دل آباد نہ تھیسی کڈاں جہیں دل دے وچ ہا نہیں
میڈا خیال خلاصہ دو یار ڈھوں ہک سینگیاں سچ ساڈے سانہیں

Gul Hayat Institute

رانجھو کو بھی طلب مری آئے گا ندی کنارے وہ
اس عشق کی ریت نبھانے کو چھوڑ آیا تخت ہزارے وہ
ہم سائل مفت نظارے کے آ جھنگ میں روپ سنوارے وہ
مرا دخل نہ تھا، آیا تھا سیالوں کے کرنے نظارے وہ

جب ظاہر مرا عشق ہوا سیالوں نے مجھے بدنام کیا
مجھے دیکھنے آیا جھنگ سارا دیوانوں سا جو کام کیا
ماں باپ نے رب سے میرے لئے یہ کیسا طلب انعام کیا
تقدیر میں الٹی لکھی تھی بیچو ہیر کا کیا انجام کیا

جو عشق کے دریا سے اٹھی اس موج کی خاص تو شان نہیں
جو غلغلہ اس نے ڈالا ہے اس کی سی کسی کی آن نہیں
جہاں حرکت، ہمت، درد نہیں وہ دل آباد مکان نہیں
مرے خواب و خیال میں اک وہ ہے سکھیوں کا نام نشان نہیں

Gul Hayat Institute

غ غم لتھا رانجھو یار ملیا پچ کھیڑے بھیڑے بیزار تھئے
اساں دوست ڈوہیں ہن ہک ہوئے کھیڑے سبھ خراب خوار تھئے
ڈیکھن نال ماہی دے وِ دل میڈی ڈوجھے نین تاں باغ بہار تھئے
حاصل سبھ مدعا وو ساڈی جوئی سچو خیال میڈا مختار تھئے

ف فاش تھیا راز عشق والا تنبو تناتاں وچ صحرا لگیاں
پچھن وچ ادب کیتے ڈینہہ ہویاں ہن ڈیکھوں تاں جا بجا لگیاں
زیں سر زبوں نہ تھیسی کڈاں باریاں یار دوڈے برپا لگیاں
ہُن نینہہ دا مار نغارا اتھاں سچو ویکھ تاں وچ ہوا لگیاں

ق قرب سانوں رانجھو یار ڈِتا وچ جھنگ سیالیاں نہ تے بُنیاں جھی بھول
راتی ڈیہناں اساڈری ہو رہی دم دم ہکا دل چاک ڈھول
عاماں نال پڑدے پاک جاہیں کڈاں مول نہ ٹھہرا ٹور ٹھول
قدماں نال سچو سچے یار دے نی ایہو ہیں عمر سبھا جوڑا جوڑ رہوں

Gul Hayat Institute

غم ٹل گیا رانجھو یار ملا کھیڑے ہم سے بیزار ہوئے
ہم دو تھے مِل کر ایک ہوئے کھیڑے سب جگ میں خوار ہوئے
دل خوش ہوا یار کے درشن سے مرے نین یہ باغ بہار ہوئے
مجھے حاصل اور حصول ہوا سچو کیسے کرم مختار ہوئے

جب کھل گیا عشق کا بھید وہاں صحرا میں فصلِ بہار آئی
پھر عشق کا چرچا عام ہوا ہر چشم ہی مستِ خمار آئی
تھا ہجر کا بارِ گراں لیکن دھرتی یہ بوجھ سہار آئی
سچو اک نعرۂ حق تیرا پھر خلقت دیکھ ہزار آئی

کتنی تھیں سیالیں جھنگ والی پر یار نے ہمیں ہی چاہا ہے
پل پل اس چاک کے نام کیا جیون بھر پیار نبھاہا ہے
جو عالم تھے وہ شاد ہوئے مرے رب نے یوں ہی چاہا ہے
سچو رونق یار کے دم سے ہے جیون ہمیں کرنا چاہا ہے

Gul Hayat Institute

ک کاربھاوو سارڈتی عشق چاک دے میں مستان کیتی
اور گالھاں کنوں چک پئی دل دردڈاہڈے دیوان کیتی
خاطر ڈیکھ ساڈی وو ہزاروالی ہو ہو اینویں حیران کیتی
قربان اساں تھیسے یار اتوں سچو سا سبھو جند جان کیتی

ل لوک سارے بدنام کیتم ویکھاں یار ڈھوں خوش حال دلی
دل لٹ نیتی ساڈی چاک سیاں ڈو جھے طرف نہیں میڈا خیال دلی
میں گھول گھتاں سر اپنا بھی اتوں دوست سیا راجھنگ سیال دلی
سچو روز ازل کنوں منگ گھدا ایہو ہادی دالا حال دلی

م مست کیتی دل چاک میڈی ہن گئی آں شرم حیا کنوں
رانجھو ہک ہووے شالاہاں اتے میں توں توبہ سیالاں دسا کنوں
آپے بجھ گیاں ہکو جیڈیاں نی ڈاہڈے عشق دے تکھے تا کنوں
ڈیکھ حال ساڈا سبھ حیران ہیاں سچو پا سا کرن نہ دے ناں کنوں

Gul Hayat Institute

سب دھندے مجھ کو بھول گئے اس عشق میں میں مستانی ہوں
سب باتیں چھوٹ گئیں مجھ سے دل کے ہاتھوں دیوانی ہوں
اس تخت ہزارے والے کے طعنوں سے میں حیرانی ہوں
سچو اس یار کے سر صدقے میں سرتاپا قربانی ہوں

لوگوں نے کیا بدنام بہت پر میں اسے دیکھ نہال ہوئی
اس چاک نے لوٹ لیا ہے دل میں اس کے خواب و خیال ہوئی
اس پر مری جان و دل صدقے، قربان یہ جھنگ سیال ہوئی
سچو روزِ ازل سے مانگا تھا میں ہادی والے حال ہوئی

دل چاک نے ایسا مست کیا اب شرم و حیا سے کام نہیں
اک رانجھو میرے ساتھ رہے مجھے اپنے قبیلہ سے کام نہیں
ہم عمر تھیں جو سب بھاگ گئیں انہیں عشق ادا سے کام نہیں
حیران تھیں میری حالت پر انہیں نام و فا سے کام نہیں

Gul Hayat Institute

ن نال گھنن تاں یار دے نی ہوداں جان جسم وچ میں تا دوڑی
ہکے رانجھو باجھوں بئے لوک کنوں اساں دوستی والی سبھ گالھ توڑی
بابل، مائی، بھائی بیزار تھیون اینویں آکھ گئے "اساں ایہا بھوڑی"
سچو حمد شکر ہزار کیتم، چاک نال اساں وچ محبت جوڑی

و والگی کائی وحدت والی تھیں سبھ گالھیں وسار ڈتیاں
جیہڑیاں حرص ہوا ہوس والیاں باتاں سیف "لا" دی مار ڈتیاں
جو گالھیں حق الحق آکھیاں اُتے دل دے جما اعتبار ڈتیاں
باطل والیاں اشارتاں مرشد سائیں سچو ویکھ تیکوں اظہار ڈتیاں

ہ ہوش ساڈا رانجھو یار ڈھوں بئے لوک کنوں بے ہوش تھیاں
طعنے ڈیون لکھ ہزار میکوں طرفوں چاک دے ڈیکھو سبھ سیاں
جھل پل کیتی وو سیالیاں دی میڈے در اُتے کیڈیاں دھما پیاں
پردہ توڑ ڈتیس میں باہر اینویں سچو یار میں تاں ہن وسول گیاں

Gul Hayat Institute

اس نام میں کیسا جادو ہے وہ نام جپوں تو جی جاؤں
ہے ترکِ تعلق اب سب سے اک رشتہ رانجھے کا پاؤں
کیا بابل، میا، بھائی ہیں میں چاک کے جوڑے جُڑ جاؤں
صد شکر سچوؔ اس ذات کا ہے جس در سے فیض اس کا پاؤں

ہر بات بھلا ڈالی اس نے کیسی یہ ہوائے وحدت ہے
یہ الا اللہ کی سیف جسے سب حرص و ہوا سے نفرت ہے
جو باتیں حق الحق کی ہیں ان سے مرے دل کو ہمت ہے
سچوؔ رمز ہے مرشد سائیں کی، باطل کے فنا کی علت ہے

ہمیں ہوش رہا اک رانجھو کا کسی اور کا کوئی دھیان نہیں
سکھیوں کے لاکھوں بول سہے جز چاک مرا ایمان نہیں
یلغار سیالوں کی مجھ پہ تھی، منزل یہ آسان نہیں
دنیا سے پردہ چھوڑ دیا اب کوئی عذابِ جان نہیں

Gul Hayat Institute

ی یاد رانجھو جدے کدے ہویا ہر جا وچے ہک جا نہیں
ڈوجھی راہ رنگیلی تہیں نوں جانیں ہادی آپ آکھیا اورکا نہیں
آپ چھوڑتے خودخدا رہیں اور بات اساکوں بھا نہیں
کجھ سمجھ نہ لائق سکھیں ایہا عشق والی سر وپا نہیں

Gul Hayat Institute

رانجھو یار نے کیا کیا راہ دیکھی اس راہ بناں کوئی راہ نہیں
مرشد نے کہا کہیں اور گئے تو تم سا کوئی گمراہ نہیں
تم آپ خدا بن کر بیٹھو یہ ڈھنگ تو خاطر خواہ نہیں
سچو ایسے عشق سے باز آنا یہ راہ تو کوئی راہ نہیں

Gul Hayat Institute

الف آ میڈی دل چا نیستی جی جا نہیں ہا میاں
اٹکا اکھیں، دکھ لاگیوں، پھر آ کے کجھ لا میاں
کائی دا گھُلی سیّاں سا چھوڑیا طعنے ڈیون وادا میاں

ب بس سیاں کنوں رس نہیں، روح وس نہ میڈے وس میاں
جیڑا جس نہیں پردیس پیاں خاطر کس گیوں کیوں نس میاں
ہیں کس بیاں دے ڈس نہیں، لگی کس نہ کائی چس میاں

ت تات تیڈی، دائی وات میکوں، تھیویں ساتھ نہ ڈیکھیں ذات میاں
سُن بات سوہنا، ہیہات ہوئی، ڈیہاں رات آویں پربھات میاں
تسلات ڈیویں، مصلحتاً کائی، میکوں درد لائیوای بھاتوں بھات میاں

ث ثابت سار سنبھار تیڈی اندر عشق کیتا انطار میاں
کئی لکھ ہزار دو یار تیڈے بیکتے رو ون زار وزار میاں
تیڈی تار لگی دلدار میںوں، ہک واری بے اختیار میاں

Gul Hayat Institute

الف آکے لے گیا دل میرا نہیں شور کی اب تو جا میاں
لٹے نین اور غم سوغات ملی کوئی بات بھی آن سُنا میاں
سنگ چھوڑ گئیں، طعنے دیں سکھیاں کیسی چلی ہے عجب ہوا میاں

پر لُطف نہ سجن سہیلیوں کا، نہیں روح پہ میرا بس میاں
من چین نہیں کیوں چھوڑ گئے غیر دل میں ہوں بے بس میاں
کیا ترک جو سنگ تھا سکھیوں کا اس سنگ میں بھی نہیں چس میاں

ترے عشق کا چرچا عام ہوا، دو ساتھ نہ پوچھو ذات میاں
اسی ذکر میں کٹ گیا دن سارا ہوئی رات پھر پربھات میاں
مرے سوہنے سجن مرا ہاتھ پکڑ، غم دے گیا ہے نت بھات میاں

ترا حسن نظر مجھے جاں بخشے، ترے عشق نے کیا نزار میاں
ترے ہجر میں گریہ کناں دیکھے تیرے چاہنے والے ہزار میاں
مجھے بے بس کر کے مار گئی، یہ تیری لگن دلدار میاں

Gul Hayat Institute

ج جال میڈے توں نال سوہنا برحال تھیویں توں بحال میاں
ورق وال وچھوڑے دا، گاھنیں، اپنا آپ کریں بحال میاں
پیا وچ جنجال دے حال میڈا، نبی کیہی کراں قیل قال میاں

ح حال خیال دی تیکوں آگہ دل کیوں نہ لیں ووسنبھال میاں
سن سوال ساڈا کریں بحال بھلا، تھیے سکدیاں مینوں سال میاں
رولاں کیتم اکھاں خیال تیڈے کیتا برہ تیڈے بے تال میاں

خ خواب گیا کنوں تات تیڈی، کیتا برہ سانوں بےتاب میاں
توں شتاب آویں، ڈیویں آب میکوں سائیں کھول نقاب حجاب میاں
تیڈے نینہہ نواب، کباب کیتم، کوئی نہیں عتاب خطاب میاں

د دم داندا نہیں غم کنوں، ہڈ چم دا سیا تیڈے واہ سائیں
ہمدم مٹھی گھتیں نہ خم اتھاں، سارا کم میڈے در جوڑ جائیں
جاویں جُھم نہ بھی میں طالب تم، نہیں کوئی شرم عاشق گل لائیں

Gul Hayat Institute

اب شرط ہے ساتھ نبھانے کی اے صاحبِ جاہ و جلال میاں
کر پاک اوراقِ ہجراں سے یہ میری کتابِ حال میاں
میں قیل و قال سے گذر چکی، کچھ پڑا ہے وہ جنجال میاں

آگاہ ہے میرے حال سے تو لیتا نہیں مجھ کو سنبھال میاں
اب مان سوال اس عاجز کا کئی رو رو گذرے سال میاں
رو رو کر آنکھیں لال ہوئیں بے سُر ہوئی ہیں بے تال میاں

ترے دھیان میں نیند بھی خواب ہوئی ترے ہجر میں ہو لی بے تاب میاں
دے آبِ وصال شتابی سے اور کھول یہ بندِ نقاب میاں
ترے ہجر میں میں تو کباب ہوئی، نہیں کوئی بھی حدِ عتاب میاں

کوئی سانس نہیں غم سے خالی، تن داغ ہوا تری فرقت میں
ہمدم ہے تو مجھ سے دور نہ رہ کر شامل وصل کی عشرت میں
بوسہ نہ سہی سینے سے لگا، نہیں شرم کی بات محبت میں

Gul Hayat Institute

ذ ذوق تیڈا، سانوں شوق لگا، طعنہ لوک ڈیوے نت چوک میاں
نینہڑے لوک لگی، محبت موک لائیوا ودراں پھوک لا دن سانوں ٹوک میاں
تیڈا طوق گھتیم، گل بانہہ پے والا سوہنا سوز کیتا سانوں سوک میاں

ر راہ کھڑا ادواح نیڈے چت چاتی سنجھ صباح میاں
واہ واہ سنبھال توں آہ کنوں میڈے نال سوالاں دی پا میاں
پنڈیا تھیا تیں ماہ کیتے میڈی دل دی ہیں آگاہ میاں

ز زاردوداں تیں یار کیتے تھیوے کار نہ کائی نزوار میاں
ڈوں چار بئے دلدار نیکوں جی جار پیا دلدار میاں
گفتار سناں ہک وار تیڈی تھیوے دل تاں باغ بہار میاں

س ساری آکھاں گل یاری والی تیں نال کریجے وزاری میاں
باری برہ وبائی کاری سانوں گل چا گھتیوئی گاری میاں
واری یار تیں توں سو واری ونجاں دوستی وچ گھتیں متاں گھاری میاں

اس عشرتِ عشق نے یار مرے دنیا میں کیا بدنام میاں
یہ تیر تراز و دل میں ہوا، کیا عشق نے زیرِ دام میاں
یہ طوق گلو کی زینت ہے، تن سانس پہ ہے الزام میاں

ترا رستہ تک تک بیکل ہوں ہو سانجھ سماں کہ صباح میاں
ہاں مجھ سے دامن کش رہنا مرے سنگ ہے غم کی سپاہ میاں
شرما گیا ماہ ترے آگے ہے دل اس سے آگاہ میاں

تری یاد میں کیا کیا ردی ہوں نہیں کار سے کوئی کار میاں
محبوب کئی ہوں گے بے شک نہیں تجھ سا کوئی دلدار میاں
گفتار سنوں اک بار تری تب دل ہو باغ و بہار میاں

ترے سامنے عرضِ حال کروں ترے سامنے نالہ و زاری میاں
یہ ہجر کے دار و رسن جو ہیں میری جان پہ کتنے بھاری میاں
آئے فرق نہ اپنی یاری میں سو بار میں تجھ پہ واری میاں

Gul Hayat Institute

ش شام صبح آرام نہیں، پیغام پٹھیونی نہ سلام میاں
اکھیں خواب تمام حرام کیتا، آون دا نہ کیتونی انجام میاں
انعام غلام دیدار تھیوے، کریں یار قبول کلام میاں

ع صورت آواز نیاز کنوں بانہاں بدھ کھڑیں بے نیازا گوں
اتھاں ناز کنوں توں باز آویں تیڈا راز پووے کارساز ا گوں
تن ساز کریں آواز رگاں، کرنی صفت تے دل نواز ا گوں

ض ضرر شرر وچ عاشق، تھیا شیر شکر بھی سبھ تاں زہر میاں
شہر بحر ڈے وچ تھاں ڈاہو کا بھریا ہل غل ہویا اندیا ہر میاں
ایہناں عاشقاں کنوں نظر گذرا، ایہا بے وہم تھئے دربدر میاں

ط طور ڈاہڈی پر شور ایہا زوری نال گھتے سوئی زور میاں
گھم گھور تنہن وچ جتھا جوریاں، ہنیرے نال ڈیں تھیند اہور میاں
جنھاں کیف کلال کٹورا پیتا اوہناں بے بچھایا بور میاں

Gul Hayat Institute

آرام نہیں ہے شام و سحر ترا پیام آیا نہ سلام میاں
کیا وعدۂ وصل ہوا تیرا، ہوئی مجھ پر نیند حرام میاں
انعام میں دے دیدار مجھے کر میرا قبول کلام میاں

میں باندھ کے ہاتھ کروں زاری اس بے پرواہ کے پاس میاں
بانا آجا بے پرواہی سے تیری پوری کرے رب آس میاں
گر مجھ کو نوازے ماہ رخا! پھر میں ہوں سراپا سپاس میاں

عاشق ہے خسارے میں ہر دم اسے شیر و شکر بھی زہر میاں
ہاں اس کے طفیل ترا چرچا ہوتا ہے اندر باہر میاں
تجھے ڈھونڈتی پھرتی ہیں نظریں نظروں پہ دھم کا قہر میاں

شوریدہ سری تری شور کرے نہیں عاشقوں کا کوئی زور میاں
یہ عاجز بے کس بندے ہیں تو سر تا پا ہے جور میاں
جو دُردِ تہہ ساغر پی لیں انہیں ہجر نے مارا اور میاں

Gul Hayat Institute

ظ ظلم جہول ظہور کیتا، منظور ہویا پُر نُور میاں
ایہہ مُصحف وِچ مذکور ہویا معروف ایہو مشہور میاں
چک چور امانت عشق کیتا سر سُولی سُٹیا منصور میاں

ع عشق اجہل کیا عقل لگے توڑے کرے عقل تحمل میاں
کوئی پل نہ سوئی تحمل کرے بھنے بِرہ داڈیکھ بدل میاں
تنہن داہی عمل اصل ڈاہڈا اندوہ دے وِچ مشغل میاں

غ غازی چڑھے سر سُولی راضی، بانکے کہی کیتی سربازی میاں
آزی کر دوڑا دِن تازی اِتھاں، وت کیا کریسن قاضی میاں
کہیں دے حال نہ مَنیں تے ماضی ایہے ہی سُر جنہاں سرفرازی میاں

ف فال پئی عشق دے حال والی سر آدم سائی بر حال میاں
حمال تھئے وِچ خیال ایہیں کیتس حال جنجال کمال میاں
کشال چائس احوال کنوں کائی سر تیس امثال میاں

Gul Hayat Institute

ہے ظلم و جہول تو تاریکی اور نور کی صفت ہے نور میاں
یہی مصحف میں مذکور بھی ہے معروف بھی اور مشہور میاں
یہ عشق امانت جس نے کیا وہی سولی پر منصور میاں

کہاں عشق کہاں ہیں عقل و خرد منزل ہے الٹ دونوں کی میاں
کہاں عقل کو ہجر کی ہمت ہے عیار ہے بھیس بدلتی میاں
ہے ایک عمل ہی حقیقت جو ناری بھی ہے اور نوری بھی میاں

غازی ہیں جو دار پہ راضی ہیں کس دھج سے سر کی بازی میاں
وہ تازیوں کے اسوار ہوئے کیا کر لیں گے اب قاضی میاں
ماضی کا کہا کب مانتے ہیں یہی ان کی سرافرازی میاں

جب قرعۂ عشق پڑا آدم کے نام، تھا حال کمال میاں
حیران فرشتے پھرتے تھے کیا اس کا تھا جنجال میاں
دکھ درد مصائب سوز و الم تھی اس کی کوئی مثال میاں؟

Gul Hayat Institute

ق قال تے باہر حال کنوں نہیں خاص جانو ہے خیال میاں
الحال وصال احوال دسے وچ وت ڈیکھیں جوڑ جمال میاں
ڈینہہ رات جنہیں دی دو سنبھال تیکوں باجھوں ایہیں کیہی مجال میاں

ک کائی نہیں ہئی جائیکوں باجھوں ہا وہو نہیں وا میاں
اکھیں لا اتھاں برپا کریں ایہو ڈیکھ سارا سر و پا میاں
سر آڈیویں چت چا اتھوں عاشق اور بازی نہ بنا میاں

ل لٹ نیتوئی ہیلی ست میڈی دل چیٹ الٹ پلٹ میاں
سانوں بھٹ گھتیوئی زلفاں وٹ سوہنا میڈا رخ نیتوئی پٹ میاں
جٹ لا کے سیاں پچھے ہٹ ہیاں طعنے ڈیون اسانوں سٹ میاں

م مار تراز فراق والی میکوں مار گئیوں دلدار میاں
پئی پار اروار دو یار تیڈی لنگھ نیتھہ والی وو نظار میاں
ہوشیار ہزار ہلاک تھیون جتھاں آ ڈٹھا چمکار میاں

Gul Hayat Institute

کہنے کی نہیں پر بات ہے یہ، ہے سارا وہم خیال میاں
اس حال وصال میں حسن بھی ہے اس میں ہے سارا جمال میاں
دن رات اسی کی یادیں ہیں اس بن جینا ہے محال میاں

یہی شور شرابا ہاؤ ہو نہیں اس کے سوا کوئی اور میاں
یہیں آنکھ لڑے یہیں مجنوں ہوں یہیں چلتا ہے عشق کا دور میاں
یہیں سر دینے کی بازی ہے نہیں راہ کہیں کوئی اور میاں

دل لوٹ لیا، پھر زخموں سے سینے کو کیا ہے داغ میاں
زلفوں میں قید کیا، اُجڑا پھر روح کے سکوں کا باغ میاں
سکھیوں نے بہت سمجھایا تھا، طعنوں کے دیئے پھر داغ میاں

ترے ہجر فراق کے دکھ سارے مجھے مار گئے دلدار میاں
ہم عشق کے دریا میں ڈوبے یہی شور ہے آر اور پار میاں
تھے لاکھ ہشیار پہ مارے گئے سب دیکھ ترا چمکار میاں

Gul Hayat Institute

ن نسنگ چاڑھیوئی غمزے کٹک سان تے سٹک لا فتح ساری ملک لیوے
لٹک نال میڈی دل چٹک نیتی کنہن دی پھٹک نہیں اٹک کون ڈیوے
وٹک نال زلفاں ڈُ اہڈا دام گھتیا جند جان میڈی جانی جھٹک نیوے

و وار کہیں توں نہ یار آسیں اقرار کریں سچا نال میڈے
ہنجو ہار پوتا جی جار پیا اسرار کیتو ئی، لگوں گال میڈے
اختیار میڈا منڈھوں یار نہیں ہکے وار آویں اج کال میڈے

ہ ہوش وچوں مل ہوش تھیاں ڈیویں گوش میڈے وخروش ڈیہوں
سر پوش تھیویں آغوش میڈے آون والی کریں بے ہوش ڈیہوں
ہل جوش گھتیا دار دو نوش تیڈے کائی گھت نگاہ آغوش ڈیہوں

ی یار آیا دل یار میڈے جنسار کرے سینگار میاں
اسرار وچوں اظہار ہویا انہاں دیداں ڈٹھا دیدار میاں
سچل سار سنبھار و حجن دی آہی سوئی دیس ملیا دلدار میاں

Gul Hayat Institute

بے باک تھا دھا و اغمزوں کا پھر ان کو ملی ہے کمک میاں
مرا دل تو وہیں تسخیر ہوا باقی نہیں کوئی اٹک میاں
زلفوں کے دام میں جان پھنسی جانی کب نے گا جھٹک میاں

جو وعدہ وصل کا دن ٹھہرے وہ پکا ہو اقرار میاں
ترے ہجر میں بیٹھ پروتی ہوں اشکوں کے کیا کیا ہار میاں
تکرار نہ آج اور کل کی ہو آ جاؤ بس اک بار میاں

باتیں میں تمہاری سن سن کر ہوں ہوش میں بھی مدہوش میاں
آغوش میں آ کر چھپ جاؤ سرمست کر دو بے ہوش میاں
مے ہجر کی شور شرابا ہے کر وصل سے اب خاموش میاں

وہ حسن سراپا بن آیا جی خوش ہوا دیکھ کے یار میاں
اسرار سے جو اظہار ہوا آنکھوں نے کیا دیدار میاں
جس روپ میں اس کو سوچا تھا اس رنگ میں ملا دلدار میاں

Gul Hayat Institute

الف آب اوا گھ کوں واگی ایہیں واڈاہڈی کائی موج مارئیس
تہیں موج دی کوئی انتہا نہیں چھولی چھوہ کنوں اسمان چاڑھیئس

ب بحر برہ دے دو یار چاڑھے کالے کن کیتے کڑ کار ڈاہڈے
ڈُوڈاٹ دے وچ گھوگھاٹ لگے سرسی سر ڈے تھئے تسکار ڈاہڈے

ت تن تے من سار ڈتیس لہریں نال آہے ڈو نہیں لڑھ گئے
وڈکار کیتا دریا ڈاہڈا پار وپار تہیں دے پرواز تھئے

ث ثابت پچھے اثبات کنوں باقی جان رہے دو عِلام کِتھے
کِتھے نیک، کِتھے بدنام رہیئے کِتھے کفر کِتھے اِسلام کِتھے

ج جوش آند الجبروت وحدت والے تھئاں موجاں کھڑیاں گونا گون کیہیاں
ایہے موجاں جانیں سبھ مورتیاں وچ واہ جلوہ گریاں وو عجب جیہیاں

Gul Hayat Institute

بجلی تیز ہوا تو موج اُٹھی پھر جانے اس پر کیا بیتی
دھرتی سے اُٹھی تھی اور سرِ افلاک وہ پل میں جا پہنچی

اس بحر میں وہ طوفان اٹھا موجوں کی فلک تک مار ہوئی
بازی تھی سروں کی میداں میں اور کتنے سروں کی ہار ہوئی

انہیں تن من کی سُدھ بُدھ نہ رہی اور دونوں غرقِ آب ہوئے
دریا کے شناور تھے تو نہیں پر جرأت کا اک باب ہوئے

اثبات سے ہی ثابت ہوگا باہوش تھے کتنے غلام ترے
کہاں کفران کا اسلام کہاں وہ نیک تھے یا بدنام ترے

جب جوش میں آیا وحدت کے ساگر میں کیا کیا موج اُٹھی
ہر موج میں کیا کیا صورت تھی ہر موج میں کیا کیا جلوہ گری

Gul Hayat Institute

ح حال ہادی حق الحق سانوں بخشا راہ ڈیکھائس بار بارا
تصویر دے وچ اجسامیاں دے اوہ بحرِ عمیق سموندا سارا

خ خیال خبر ایہا پچھے ڈتی تحقیق ماریوئی اختیار سکھے
تھئی کثرت موجاں وچوں ڈیکھو یار و دریائے وحدت ودّھکے

د دل میڈی کوئی دور کھادا عالم موج سالے نظر نہ آوندے جی
میڈا خیال خمار ودھا گیا سینے وچ سموند سماوندے جی

ذ ذات سنجان صفات وچوں پچھے ذات صفات ہکائی ہیئی
ایہا آکھ صفات تاں کھتوں آئی ہکا ہک جائیں دو بھائی ہیئی

ر رُخ پیار رنگ اُتے تھئی موج کھڑی چھولیں چھول پیئے
خس خار اتارا ودھا ڈتس سارا بحر وچوں بدنیک گئے

Gul Hayat Institute

اس ہادیِ حق الحق نے ہمیں کیا سیدھی راہ دکھائی تھی
دکھلائی دنیاداری بھی اور ساگر کی گہرائی بھی

پھر حالِ حقیقت ہم پہ کھُلا یہ بات سمجھ میں تب آئی
یہ موجیں، کثرت وحدت کی، وحدت دریا کی گہرائی

دنیا نے دیئے وہ رنج و الم مستی کا کہیں منظر ہی نہ تھا
سرمستی من کی ایسی تھی کئی ساگر من میں گئے سما

پہچان لو اس کی سب صفتیں وہ ذات تو ایک اکیلی ہے
یہ روپ سروپ ہیں کیا کیا کچھ یہ دنیا ایک پہیلی ہے

جب ساگر میں طوفان اُٹھا رخ روشن ہوا حقیقت کا
خاشاک کا واں پہ ذکر ہی کیا نیکی کا بدی کا فرق مٹا

Gul Hayat Institute

ز زور تے بحرِ زخار آندا تہیں وچوں تھیا کوئی نطار کھڑا
اوہیں شور مچایا آسمان تائیں ڈسکار دا تھیا وو غبار کھڑا

س سیر ایہیں دا جہیں سیر کیتا تہیں دی جند ساری ناپید تھی
کتھے نام و نشان نسب تہیں دا "من" "ما" وچوں لے دی پھوک گئی

ش شور مچایا وو موج ڈاہڈا بئے زور جھلن دی وو جا نہیں
برابر زمیں اسمان کیتیں ڈتی کنی تہیں دی وو کا نہیں

ص صورت گم ہوئی وو ساری لہریں پیا پیئے وو چڑھ پییاں
کائی خبر انہاں وو پوندی نہیں نور و نور دیاں ندیاں آنیاں

ض ضرب بحر دی وو زور لگی یکے وار وجود اوڈار ڈتس
"میں" دی ہک رتی کتھ رہندی اُتھاں سارا نام نشان اتار ڈتس

Gul Hayat Institute

جب جوش سمندر میں آیا اس میں تھا کوئی نظارہ کھڑا
وہ شور تھا اس کا، جو، بن کر افلاک تلک تھا غبار کھڑا

دی جان اسی نے جس نے ہمارے دل کو اطمینان دیا
نے نام و نسب نے حیات کوئی نہ اس نے کوئی نشان دیا

وحدت کے سمندر کی موجیں کیا شور مچاتی پھرتی تھیں
دھرتی سے لے آکاش تلک کوئی فرق رہا تھا؟ نہیں نہیں

وحدت تھی کثرت میں کھوئی کثرت کی موجیں چڑھ دوڑیں
ان چڑھتی نور کی ندیوں میں سب اصلی باتیں کھو ڈالیں

اس بحر کے ایک تھپیڑے نے اس ہستی کو ہی مٹا ڈالا
اس "میں" کی رتی کیا رہتی اس بستی کو ہی مٹا ڈالا

Gul Hayat Institute

ط طالب وچ عمیق پئے ڈوہیں کنڈھیاں اُہیں کنوں بُھل گیّاں
پِچھے دس اوہیں دا اوّدو کوئی نہیں موجاں مُچ تکھیریاں آ پئیاں

ظ ظاہر دی ایہا بات نہیں جو آیا اوہیں کوں ایہا سُدھ پئی
پِچھے سُدھ والا موجود نہیں دوئی والڑی گالھ نکال گئی

ع عشق عمیق دریا وچوں آئی موج ہکا ماریا نعرہ ھُو
تے میں ہک آہس اور کوئی نہیں "انا الحق" دا ہیئی نعارا ھُو

غ غش غریق دے وچ تھیاں کتھ جسم رہیا کتھ جان کِتھے
کِتھے شکل رہی کِتھے عقل رہیا کِتھے فہم کِتھے اوسان کِتھے

ف فکر فنا دا کیوں نہ رکھیں تا ملک ——— بقا باللہ لئیں
چھوڑ آپ کوں آپ وسار سارا جائیں ہک خدا لے رنگ رہیں

Gul Hayat Institute

جنہیں طلب تھی اس گہرائی کی موجوں کے سہارے چل نکلے
موجوں نے ہی ان کو گھیر لیا ان کے سارے کس بل نکلے

ظاہر تھی اس کی وحدت بھی دوئی کی کوئی بات نہ تھی
جو آیا تھا یہ سمجھ جاتا اس کے پیچھے کوئی گھات نہ تھی

اس بحر سے موج اک اٹھی تھی تھا اس کا ایک ہی نعرہ ہُو
تھا ایک اناالحق کا نعرہ اور وہی تھا پھر نقارہ ہُو

تہہ دریا غرق تو ہونا ہے پھر جسم کہاں اور جان کہاں
کہاں شکل رہے کہاں عقل رہے کہاں فہم رہے اوسان کہاں

جب یہ جگ سارا فانی ہے پھر فکر فنا ہو کیوں دل میں
باقی ہے نام خدا جس کا رنگ ایک نہیں اس محفل میں

Gul Hayat Institute

ق "قل ہو اللہ احد" ہئی جائیں سمجھ سنجانیں کوئی اور نہیں
کھڑ وحدت دے دریا دے وچ ایہو آپ ہے دی ٹور نہیں

ک کِتھ توڑی میں چھُپیاں ایہا گالھ ہادی والی ھُن چھپدی نہیں
تھیسی ظاہر آوپں آپ ایہا ہئی زور اساں کنے لگدی نہیں

ل لہریاں بحریاں زور پئیاں وس کوئی نہیں میں لڑھ گئی
ڈاہڈیاں موجاں چڑھیاں یرہ والیاں اُٹھاں ہستی گم ساری موج تھئی

م مے پیون نال موج چڑھی کوئی خم ادہیں وو حسمار ڈِتا
مدہوش کیتس کل ہوش گیا ایہیں عیش سارا اعتبار ڈِتا

ن نام نشان اثار ڈِتس گئے رنگ ہمہ بے رنگ رہے
غوطہ مار کے جو ای غرق تھئے آزاد کنوں رنگ رنگ تھئے

Gul Hayat Institute

کہو ایک ہے رب کوئی اور نہیں اسی روپ ہیں اس کو جانو تم
ہے روزِ ازل سے دریا میں ہر بھیس ہیں اس کو مانو تم

جو بات بتائی مرشد نے وہ بات چھپاؤں میں کب تک
اس کا چھپنا اب بس میں نہیں ہو جائے گی ظاہر وہ سب تک

میں موج بلا میں بےبس تھی مجھے ساتھ بہاتی لے نکلی
نہیں کوئی وجود مرا باقی میں بحر کی موج میں موج ہوئی

یہ موج اٹھی مے پینے سے اس خم نے کتنا خمار دیا
ہم پہنچے یقیں کی منزل تک جب ہوش کو سر سے اتار دیا

نہ نام و نشان رہا باقی سب رنگ گئے بے رنگ ہوئے
جو غرق ہوئے ان موجوں میں اُن موجوں کے وہ سنگ ہوئے

Gul Hayat Institute

و واگی تھی موج کھڑی، بحر زور پئے چھولیاں چھٹک پئیاں
ایہا گل مار یُس اُنا البحر آکھیس باراں دیاں ندیاں تیز پئیاں

ہ ہادی عبدالحق سائیں سچی راہ سانوں سمجھا گیا
تساں غیر نہیں سراپا جانیں او ہو آپ ہیئں پرچھا گیا

ی یاد رہیاں گالھیں وحدت دیاں جیہڑیاں آپ ہادی فرما ڈتیاں
سچو حق ایہیں گل شک بھنے اوہیں راز دیاں گالھیں جما ڈتیاں

Gul Hayat Institute

چلی تیز ہوا تو موج اٹھی ہر چیز اس میں نابود ہوئی
ندی نے کہا میں سمندر ہوں، مسعود ہوئی محمود ہوئی

مرا سائیں عبدالحق ہادی اک سیدھی راہ دکھلا گیا وہ
ہم آپ ہیں وہ کوئی غیر نہیں یہ بات ہمیں سمجھا گیا وہ

جو مرشد نے بتلائی ہیں یہ باتیں دل پہ بٹھائی ہیں
سچ حق نے شک کو مٹا ڈالا یہ باتیں کیا سمجھائی ہیں

Gul Hayat Institute

Gul Hayat Institute

فارسی

Gul Hayat Institute

- غزل   دیوان آشکار
- رباعی   〃
- مثنوی، عشق نامہ، وصلت نامہ

گر بخوانی دو صد ہزار کتاب
مے شود بر تُو صد ہزار حجاب

جزُ محبت ہمہ ست گمراہی
اے بجزُ درد، زندگی ست عذاب

ایں طریقہ کدام مے باشد
کہ نہ تقویٰ نہ طاعت و نہ حساب

آشکارا گذر ز مذہب ہا
در رہِ عشق چہ گنہ چہ ثواب

Gul Hayat Institute

پڑھ بھی لے گر تو صد ہزار کتاب
آڑے آئیں گے صد ہزار حجاب

بجز محبت ہے ساری گمراہی
ہو نہ گر درد، زندگی ہے عذاب

یہ طریقِ حیات کیسا ہے
کہ نہ تقویٰ نہ طاعت اور نہ حساب

آشکارا گریز مذہب سے
عشق کی راہ میں گنہ نہ ثواب

Gul Hayat Institute

در هر دو جہاں شرارِ عشق است
زیں شمس و قمر بہارِ عشق است
از کرسی و عرش تا ثریٰ ہم
ایں جملہ مرغزارِ عشق است
بینی بجہاں چوں خوبرویاں
دانی کہ ہمیں نگارِ عشق است
جز یار دگر طرف نہ بیند
آں دیدہ کہ پُر خمارِ عشق است
تاجِ سرِ ماست آشکارا
آں خاک کہ رہگذارِ عشق است

Gul Hayat Institute

دونوں جہان میں ہے فقط عشق کا شرار
یہ شمس یہ قمر ہیں سبھی عشق کی بہار
عرشِ بریں سے خاک کی پاتال تک جو ہے
ہر ہر جگہ پہ عشق کا پھیلا ہے مرغزار
دنیا میں دلبرانِ پری چہرہ دیکھئے
ہر اک پہ ہے گماں کہ ہے یہ عشق کی نگار
جُز جانِ جاں کسی پہ بھی پڑتی نہیں نگہہ
اِس آنکھ کی کہ جس میں بسا عشق کا خمار
اے آشکار اپنے تو سر کا وہ تاج ہے
جو رہگذارِ عشق میں ہے خاک کا غبار

Gul Hayat Institute

مے کشد عاشق براہش انتظار
بے شمار و بے شمار و بے شمار
کارِ عاشق روز و شب باشد ہمیں
اشکبار و اشکبار و اشکبار
آں کسے کہ خود رہد مردِ خداست
شہسوار و شہسوار و شہسوار
مجلسِ غم داشتن عشاق را
گریہ زار و گریہ زار و گریہ زار
مے شود عاشق ز عشقش دمبدم
بے قرار و بے قرار و بے قرار
سرِّ مخفی راز پنہاں فاش شد
آشکار و آشکار و آشکار،

Gul Hayat Institute

اس کی رہ میں عاشقوں کا انتظار
بے شمار و بے شمار و بے شمار

روز و شب عاشق کا کاروبار ہے
اشکبار و اشکبار و اشکبار

"میں" سے جو نکلا ہے وہ مردِ خدا
شہسوار و شہسوار و شہسوار

مجلسِ غم کا کرم عشاق پر
گریہ زار و گریہ زار و گریہ زار

عشق نے ہر لحظہ عاشق کو کیا
بے قرار و بے قرار و بے قرار

سرِ مخفی، رازِ پنہاں فاش ہے
آشکار و آشکار و آشکار

Gul Hayat Institute

مے زنم نعرہ انا الحق آشکار
اندریں آخر زماں منصوروار
کوسِ منصوری بکوبم در جہاں
گر رود سر، خوشترم باشد نثار
ہر کہ محروم است از اسرارِ عشق
کے شود از عاشقانِ دلفگار
نوبتِ آں بادشاہی مے زنم
شہریارم، شہریارم شہریار
سدِّ اسکندر بود ایں جسم و جاں
بشکنی فتحت شود اے نامدار

Gul Hayat Institute

میرا نعرہ ہے انا الحق آشکار
اس زمانے میں ہوں میں منصورِ دار
کوسِ منصوری بجاؤں روز و شب
سر اگر جائے تو میں اس کے نثار
جو رہا محروم سرِّ عشق سے
کب ہوا وہ عاشقِ سینہ فگار
نعرہ زن ہوں نوبتِ منصور پر
شہریاری مجھ سے، میں ہوں شہریار
جسم و جاں تو راہ کی دیوار ہیں
توڑ کر ہو فتح مند، اے نامدار

Gul Hayat Institute

مے کنم از عشق در ہر کوچہ و بازار رقص
چونکہ مے آید تن و جاں را ازاں اسرارِ رقص

از نوائے چنگ و نے طنبور شیدا مے شود
دم بدم شد زاہدا در خواب در بیدار رقص

از وظائف از لطائف معرفت حاصل نہ شد
روز و شب اندر دو غم مشغول اندر کارِ رقص

گر بیائی سوئے ما ہشدار از خود مے روی
اندریں مے خانہ چوں مستاں کنی یک بار رقص

وقتِ حالت نیست ہر دم تا ندانم کے شود
آشکارا ہم چوں شہہ منصور کن، بر دارِ رقص

Gul Hayat Institute

عشق کے ہاتھوں ہم نے کیا ہر کوچے ہر بازار میں رقص
تن من جان اسرار گئے گو طرز رہی اظہار میں رقص
ایک نوائے چنگ و نے کے تم تو ہوئے ہو شیدائی
رقص کرو گے خواب میں بھی اور لمحۂ بیدار میں رقص
کیسے وظائف، کیسے لطائف، ان سے بھید نہ پاؤ گے
شام و سحر اس رنج و الم کا ساتھ ہو گا تکرار میں رقص
مستوں کی محفل میں آنا ہے تو خود کو بھول کے آ
اس مے خانے میں تو جاری ہے بس ایک ہی تار میں رقص
وہ تو مقام نہیں ہے لیکن کیا جانوں کب آ جائے
دار پہ ہو منصور کی صورت میری ہر رگ تار میں رقص

Gul Hayat Institute

در دیدۂ معشوقاں اسرار ہمے بینم
وا جلوہ گری حُسنش اظہار ہمے بینم
در کون و مکاں باشد حقّ کہ ظہورِ او
در دیرِ خراباتی دیدار ہمے بینم
ایں جملہ تجلّی او گر دیدہ بکشائی
دیوار چہ دروازہ آں یار ہمے بینم
اے شیخ گرو باید تسبیح و مُصلّا را
یک لمحۂ نورِشں در زنّار ہمے بینم

Gul Hayat Institute

محبوب کی آنکھوں میں اسرار کو دیکھا ہے
اس حُسن کے جلوے میں اظہار کو دیکھا ہے
یہ کون و مکاں بے شک اس کا ہی تو جلوہ ہیں
اس دیرِ خرابی میں دلدار کو دیکھا ہے
کھول آنکھ، نگاہوں میں یہ اس کی تجلّی ہے
دیوار ہو یا در ہو، اس یار کو دیکھا ہے
اے شیخ گرو رکھ دے تسبیح و مصلّا کو
اس نور کو دیکھا ہے زنّار کو دیکھا ہے

Gul Hayat Institute

بزرگی، پارسائی را نہ دانم
عداوت آشنائی را نہ دانم
کہ گم گشتیم در دریائے حیرت
ہماں جا چوں چرائی را نہ دانم
چوں رفتم از تنِ خاکی بیک بار
بہ بے خود، خود نمائی را نہ دانم
بگیرم راہِ عشق و درد و غم را
ہماں زہد ریائی را نہ دانم
اگرچہ شعلۂ نورش بہ بینم
سیاہ و روشنائی را نہ دانم
کجا رفتم ز خود رفتیم بارے
گدائی بادشائی را نہ دانم

Gul Hayat Institute

بزرگی پارسائی کو نہ جانوں
عداوت آشنائی کو نہ جانوں
میں گم دریائے حیرت میں ہوا ہوں
جہاں چوں اور چرائی کو نہ جانوں
تن خاکی کو جب یکبار چھوڑوں
تو بے خود خود نمائی کو نہ جانوں
مری رہ، عشق کے رنج والم ہیں
میں اس زہد ریائی کو نہ جانوں
اگرچہ اس کا شعلہ دیکھتا ہوں
سیاہی، روشنائی کو نہ جانوں
بچھڑ کر خود سے میں جانے کہاں ہوں
گدائی بادشائی کو نہ جانوں

Gul Hayat Institute

دِلا لقائے خدا ہست لقائے درویشاں
دِگر فنائے بباشد بقائے درویشاں
مپیچ روئے ز دروازۂ گدایاں، تو
مباش روز و شباں در قفائے درویشاں
مرو بمجلسِ شاہاں کہ جائے پُر خلل است
مگر کہ بے خلل است ایں بنائے درویشاں
بسوئے دنیائے دوں میل دل نمے آرند
کہ ہست طائفہ بے ریائے درویشاں
مباش دُور دمے زاں گروہِ خاص الخاص
اگر زما پُرسی خود خدائے درویشاں
بہیں جماعتِ مردانِ آشکارا تُو
مگر کہ مرد شوی از دعائے درویشاں

Gul Hayat Institute

دلا لقائے خدا ہے لقائے درویشاں
فنا بھی ہے تو ہے وہ بھی بقائے درویشاں
نہ منہ تو پھیر کے جا محفلِ گدایاں سے
قیام شام و سحر کر قفائے درویشاں
خلل سے خالی نہیں مجلسِ شہاں، مت جا
جو بے خلل ہے تو وہ ہے بنائے درویشاں
جہانِ سفلہ کا کوئی گلہ نہیں کرتے
کہ ہے یہ طائفہ بے ریائے درویشاں
نہ ایک پل کے لئے ان سے تم جدا ہونا
جو ہم سے پوچھو تو خود ہے خدائے درویشاں
یہ اک جمعیتِ مردانِ آشکار آہے
جو مرد ہے تو بفیضِ دعائے درویشاں

Gul Hayat Institute

نہ من دیندارِ بے دینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ از آنم نہ از اینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ ہندیم، نہ سندھیم نہ پنجابی نہ دکھنی ام
نہ من از ملکِ قسطنطنم چہ مے دانید اے یاراں
نہ عربی ام، نہ شامی ام، نہ مصری ام نہ رومی ام
نہ از چینی و ماچینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ شیرازی نہ حلبی ام نہ ایرانی نہ تورانی
نہ من از خاکِ غزنی ام چہ مے دانید اے یاراں
بہر مظہر نگار آمد، نہاں بُد آشکارہ آمد
عجب اسرار مے بینم چہ مے دانید اے یاراں

Gul Hayat Institute

بے دین ہوں دیندار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
اِس پار کہ اُس پار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
ہندی ہوں نہ سندھی، نہ پنجابی ہوں نہ دکھنی
نے تُرکِ طرحدار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
عربی ہوں نہ شامی ہوں نہ مصری ہوں نہ رومی
اور چین کا انکار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
شیراز و حلب، فارس و توراں سے نہیں ہوں
غزنی کا نہ پردار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
ہر رنگ میں وہ ہے کہ نہاں ہے کہ عیاں ہے
میں دیدۂ اسرار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ

Gul Hayat Institute

آں یارِ ما بصورتِ انساں برآمدہ
غازی شدہ مقابلِ میداں برآمدہ

گہ تخت بر ہوائے بدیو و پری بُرد
بارے دگر بشکلِ سلیماں برآمدہ

از عشق آں نمودہ مقام بجھنگ سیال
رانجھو صفت ز تخت ہزاراں برآمدہ

دیدہ جمالِ خویش بخود مست شد چناں
شیدا و والہ و ہمہ حیراں برآمدہ

آں آفتاب حسن بہ عالم ظہور کرد
یوسف بمصر از چہِ کنعاں برآمدہ

Gul Hayat Institute

وہ یار تھا کہ صورتِ انسان آ گیا
غازی تھا اور برسرِ میدان آ گیا

جنّ و پری تھا اُڑتا رہا لے کے تاج و تخت
پھر آگیا بشکل سلیمان آ گیا

عشق اس کا جھنگ سیال، ہیں رانجھو صفت تھا وہ
ہاں چھوڑ کر جو تخت ہزاران آگیا

اپنا جمال دیکھ کے اتنا وہ مست تھا
شیدا و والہ خود پہ ہی حیران آگیا

وہ آفتابِ حسن جو چمکا جہان پر
جوں مصر میں وہ یوسفِ کنعان آگیا

Gul Hayat Institute

در دلِ عُشاقہا ایں بے قراری تابہ کے
نالہا، فریادہا و زاروزاری تابہ کے
وز ملامت، وز شکایت سر نمے پیچیم ما
در رہت ایں دیدہا را انتظاری تابہ کے

دُلدل عشقت ربود از ما زمامِ اختیار
اختیارم رفتہ است بے اختیاری تابہ کے
اے زتیغِ ناز و غمزہ عاشقاں را مے کشی
بر سرِ مشتاقہا ایں حکم جاری تابہ کے

از طرف دلدار آمد آشکارا ایں جواب
کز غمِ ایا مہا را مے شماری تابہ کے

Gul Hayat Institute

عاشقوں کے دل میں ایسی بے قراری کب تلک
ایسے نالے، اتنی فریادیں یہ زاری کب تلک

ہر ملامت، ہر شکایت اپنے سر پہ جھیل لی
ہاں سرِ راہِ وفا یہ انتظاری کب تلک

چھین لی ہے عشق نے ہم سے زمامِ اختیار
اختیار اپنا چھنا، بے اختیاری کب تلک

کر رہے ہو عاشقوں کو قتل تیغِ ناز سے
اپنے مشتاقوں پہ لیکن حکم جاری کب تلک

آشکارا یار نے، دلدار نے کہلا دیا
کر سکو گے روز و شب کی غم شماری کب تلک

Gul Hayat Institute

عشق بے نام و نشان ست تو خود مے دانی
ذات آں عین و عیان ست تو خود مے دانی

عاشقاں رقص کناں بر درِ تو مخمور اند
گریہ و نالہ فغان ست تو خود مے دانی

اندریں درد فراقت، عمرم مے گذرد
ایں عیاں راچہ بیان ست تو خود مے دانی

زیستن جز تو دریں عالم دشوار بسے است
حالتم بیں کہ چنان ست تو خود مے دانی

آشکار ست کہنِ سال بدانی صنما
در خیالِ تو جوان ست تو خود مے دانی

Gul Hayat Institute

عشق بے نام و نشاں ہے تمہیں معلوم تو ہے
ذات ہی عین و عیاں ہے تمہیں معلوم تو ہے

تیرے عُشاق ترے در پہ ہیں اب رقص کناں
ہر طرف شورِ فغاں ہے تمہیں معلوم تو ہے

زندگی کاٹ رہا ہوں میں تری فرقت میں
کوئی محتاجِ بیاں ہے ؟ تمہیں معلوم تو ہے

جینا دشوار ہے دنیا میں مجھے تیرے بغیر
میری حالت سے عیاں ہے تمہیں معلوم تو ہے

آشکارا ہے کہن سال مگر جانِ جہاں
یاد میں تیری جواں ہے تمہیں معلوم تو ہے

Gul Hayat Institute

ساقیا ده مرا پیاله شراب
تا شود محو زو گناه و ثواب
کن مرا مست در جهان همچون
دل گداز و همیشه چشم پرآب

ساقیا، آزاد تو ز هستی کن
لیل و نهار مرا بمستی کن
بے خبر از دو عالم همچون
چه بلندی و چه ز پستی کن

ساقیا، از مے لبالب کن ایاغ
خاطر از بوئش شود چون باغ باغ
بسکه غم دارم ز دوری یارِ خویش
یاد مے جوئم که چشمش چون چراغ

Gul Hayat Institute

ساقیا دے مجھے پیالہ شراب
بھول جاؤں میں سب گناہ و ثواب
مست کر اس طرح سے دنیا میں
دل ہو پُرسوز چشم ہو پرآب

ساقی مجھے آزاد تو کر ہستی سے
بھر دے یہ مرے شام و سحر مستی سے
رشتہ نہ رہے دونوں جہاں سے میرا
چھٹ جاؤں بلندی سے بھی اور پستی سے

ساقیا بھر دے لبالب یہ ایاغ
اس کی خوشبو سے یہ دل ہو باغ باغ
دردِ ہجراں، جستجو اس یار کی
جس کی آنکھیں ہیں کہ جلتے ہیں چراغ

Gul Hayat Institute

آں خدا بخشید اُو را شوقِ عشق
آں تعالیٰ داد اُو را ذوقِ عشق

آں کہ آدم ہست سالارِ فلک
داد سجدہ آں زماں اُو را فلک

کرسئ یزداں ایں آدم بود
چونکہ از آدم ہمہ عالم بود

ہست آدم در دو عالم سرفراز
ہست آں جا و ہم ایں جا شاہباز

صد سلاطیں، را کہ مجنوں مے کند
در جہاں مجنون و مفتوں مے کند

عالماں و قاضیان و مفتیاں
صد فلایاں مے شود مجنوں زآں

Gul Hayat Institute

رب نے بخشا اس کو سارا شوقِ عشق
اس نے آدم کو دیا ہے ذوقِ عشق

ہاں وہی آدم ہے سالارِ فلک
اُس کو اُس دم سجدہ کرتے تھے ملک

کرسیٔ یزداں بھی آدم تو تھا
ایک اس کے دم سے ہی عالم تو تھا

آدمی دونوں جہاں میں سرفراز
اس طرف یا اس طرف ہے، شاہباز

عشق نے شاہوں کو مجنوں کر دیا
عشق نے دنیا کو مفتوں کر دیا

قاضی و مفتی و عالم ہیں غلام
عشق لاکھوں کے جنوں کا ہے امام

Gul Hayat Institute

ہر کجا آں شاہ عشق خیمہ زد
ہر کسے را زیرِ فرماں آورد

عقل را آں جا نہ جائے رفتن است
ہم ز ایماں کیش دیں برگشتن است

عشق شاہ است و عقل دربانِ او
ایں سپاہی یک بود سلطانِ او

عشق مے باشد ہمہ آگاہِ راز
عشق اندر ہر دو عالم شاہباز

اے پسر جز عشق دیگر راہ نیست
عشق سلطان است دیگر شاہ نیست

عشق جسم و جان را سازد فنا
از فنا مے آورد سوئے بقا

Gul Hayat Institute

عشق خیمہ زن جہاں پر ہو گیا
ہر کوئی طاعت میں اس کی کھو گیا

عقل کا واں تک پہنچنا ہے محال
دین و ایماں کا نہیں رہتا سوال

عشق شاہ اور عقل واں دربان ہے
یہ سپاہی ہے تو وہ سلطان ہے

عشق سر سے پاؤں تک آگاہ راز
عشق ہے دونوں جہاں میں شاہباز

اے پسر جز عشق کوئی رہ نہیں
عشق ہے سلطان کوئی شہ نہیں

عشق جسم و جاں کو پیغام فنا
ہے فنا دراصل پیغام بقا

Gul Hayat Institute

عشق دریائے ست بے پایانِ آں
موج اندر موج آرد بے کراں

عشق آں از بطن آگاہی دہد
گہہ گدایاں را شہنشاہی دہد

عشق را دانی کہ شعلۂ آتش ست
در دلِ پروانہ آتش چہ خوش است

عقل گوید وِرد را ہر روز خواں
عشق گوید ایں ہمہ باشد زیاں

عقل گوید طاعت و تقویٰ بکُن
عشق گوید خویش را رسوا بکُن

عشق گوید از ملامت دور باش
عشق گوید ملحدِ مشہور باش

Gul Hayat Institute

عشق ہے دریائے ناپیدا کنار
موج اندر موج بے حد و شمار

عشق اندر کی ہے ساری آگہی
بخش دیتا ہے گداؤں کو شہی

عشق ہے یا شعلۂ جوّالا ہے
دیکھ کر پروانہ ناچے پے بہ پے

عقل کہتی ہے کہ ہر دم وِرد کر
عشق کہتا ہے زیاں ہے سر بسر

طاعت و تقویٰ کی باتیں عقل کی
عشق کہتا ہے ہو رسوائی تری

عقل کہتی ہے ملامت سے ہو دور
عشق کہتا ہے کہ ملحد ہو ضرور

Gul Hayat Institute

عقل مے گوید برو انگن نقاب
عشق مے گوید برون شو از حجاب

عقل گوید سجہ و سجاد دار
عشق گوید کن تیاری سوئے دار

عقل گوید از بدی پرہیز کن
عشق گوید نیک و بد آمیز کن

عقل گوید پارسائی کن بسے
عشق گوید بے نوائی کن بسے

عقل مے گوید تو در ہستی بیا
عشق مے گوید تو در مستی بیا

عقل را دانی کہ در تقلید شد
عشق را خوانی کہ صد توحید شد

Gul Hayat Institute

عقل کہتی ہے کہ لے منہ پر نقاب
عشق کہتا ہے کہ چھوڑو سب حجاب

عقل کہتی ہے کہ کر تسبیح نماز
عشق بولے دار پر ہو سرفراز

عقل کہتی ہے بدی سے بچ کے چل
عشق چاہے نیک و بد ہوں یک عمل

عقل کہتی ہے کہ بن جا پارسا
عشق کہتا ہے، سراپا بے نوا

عقل کہتی ہے کہ آ ہستی میں آ
عشق کہتا ہے، نہیں، مستی میں آ

Gul Hayat Institute

عقل کیا ہے سر تا پا تقلید ہے
عشق کیا ہے نعرۂ توحید ہے

ملک و جاه و تخت خواہی در جہاں
کے شوی تو از گروہِ صوفیاں

با غلامانِ لطیف و تختِ زر
کے شوی از راہِ معنیٰ باخبر

با سپاہ و لشکر و طبل و علم
کے رسی در خوانِ فضلِ ذوالکرم

با سوارانِ دلیر و کرّ و فر
کے رسی در راہِ مرداں اے پسر

با حکیمان و ندیمانِ جہاں
کے رسی اندر طریقِ عاشقاں

پردہ را اوّل زخود تو باز کن
دانگہے برخیز و رہ را ساز کن

Gul Hayat Institute

تاج و تخت اور ملک بھی تجھ کو ملے
صوفیائے پُر ہوں کیسے رابطے

ہوں غلاموں کے گروہ اور تخت زر
راہ معنی سے رہے گا بے خبر

یہ سپاہ یہ لشکر و طبل و علم
کیسے ہو گا تجھ پہ فضلِ ذوالکرم

شہسواروں کا یہ تیرے کرّ و فر
راہِ مرداں تک نہ پہنچے گا پسر

یہ حکیمان و ندیمانِ جہاں
کیسے سیکھے گا طریقِ عاشقاں

اپنے چاروں اور سے پردے ہٹا
پھر قدم اس راہ پر اپنا اٹھا

Gul Hayat Institute

رُو ز نورِ عشق شمع بر فروز
پرده ها را سر بسر کلی بسوز

چوں بسوزی پرده ها را اے قباد
آں زماں گردی ز وصلِ دوست شاد

چوں تُرا پیدا شود آں بحرِ نورُ
هر دو عالم از دلت گردد نفور

بادشاهی و بزرگی ایں جهاں
مختصر گردد بہ پیشت اے جواں

ایں سراو باغ چوں زنداں شود
سود ایں عالم همه خسراں شود

ایں زر و ایں گنج و ملکِ بے شمار
جمله در چشمِ تو گردد همچو مار

Gul Hayat Institute

عشق کی لَو سے منوّر کر چراغ
پھر جلا دے اس سے پردے داغ داغ

اے شہنشاہ جب یہ پردے جل بجھیں
وصل کے لمحے تجھے اس دم ملیں

سامنے آئے گا جب دریائے نورؔ
ہر دو عالم سے یہ دل ہو گا نفور

اس جہاں کی بادشاہی، عزّ و جاہ
بے حقیقت ہوں گے جیسے گردِ راہ

ہوں گے زنداں قصر یہ، یہ گلستاں
اس جہاں کا سُود بھی ہو گا زیاں

ملک و گنج و زر یہ تیرا بے شمار
سانپ بن کر آنکھ میں کھٹکے گا خار

Gul Hayat Institute

ایں سخن از جان و دل تو کن قبول
تا شود فردا شفیعِ تو رسولؐ

ایں سخن راہِ سلوک است و یقیں
تا شود علم الیقیں عین الیقیں

اے ز وصلت عاشقاں آشفتہ کار
ہمچو منصور آمدہ در پائے دار

اے وصالت آرزوئے جانِ من
آتشے زد در دلِ ویرانِ من

اے وصالت روشنائی جہاں
اے وصالت حاصلِ صاحبدلاں

اے وصالت گشتہ بر من آشکار
مے بُرد فردا مرا در پائے دار

Gul Hayat Institute

یہ سخن تو جان و دل سے کر قبول
روزِ محشر ہو شفیع تیرا رسولؐ

یہ سخن راہِ سلوک و صدیقیں
اس سے ہے علم الیقیں عین الیقیں

وصل سے عاشق ہیں سب آشفتہ کار
آئے ہیں منصور بن کر سوئے دار

وصل تیرا آرزوئے جانِ من
دل کے ویرانے میں آتش شعلہ زن

وصل تیرا، روشنی، اندر جہاں
وصل تیرا، حاصلِ صاحبدلاں

وصل تیرا مجھ پہ ہے اب آشکار
ہاں رسن میں دار میں ہے وصلِ یار

Gul Hayat Institute

اُردو

اگر صورت میں ہے آدم، سراسر خود خدا ہو گا
کبھی یونسؑ، کبھی یوسفؑ، کبھی وہ مصطفےٰؐ ہو گا

کبھی ماتم زدہ ہے وہ کبھی ہے بیچ عشرت کے
کبھی اسمِ حسنؓ ہے وہ، کبھی شاہِ کربلا ہو گا

کبھی ہے صاحبِ عظمت، کبھی ہنسنا کبھی رونا
کبھی عیسیٰ کبھی موسیٰ، کبھی وہ مرتضےٰ ہو گا

کبھی تھگلی، کبھی گدڑی، کبھی اطلس، کبھی مخمل
کبھی درویش اور پیدل، کبھی وہ بادشاہ ہو گا

کبھی رونا، کبھی ہنسنا، کبھی وہ رنج و راحت میں
کبھی بدخواہ بدنیت، کبھی وہ آشنا ہو گا

کبھی موجیں، کبھی لہریں، کبھی اُٹھنا کبھی گرنا
کبھی دریا، کبھی کشتی، سچل وہ ناخدا ہو گا

Gul Hayat Institute

آنے کا تیرا مجھ کو، ہے انتظار ہونا
رخ دیکھنے کو تیرے دل بے قرار ہونا

یہ چشم ہیں شکاری کرتی ہیں قتل مجھ کو
تجھ کو ہے عاشقوں کا شوقِ شکار ہونا

تجھ بن رہی نہ طاقت، مجھ میں مرے سریجن
روزِ ازل سے یوں تھا بے اختیار ہونا

اس دل میں عشق نے ہے کیا شور و شر مچایا
فرقت میں تیری رونا ہے بار بار ہونا

آہوں سے عاشقوں کی تیرا کنارہ کرنا
ہے آگ عشق کی ہیں شورِ شمار ہونا

سجن غریب کیا ہے، آشفتہ اس صنم کا
درشن کو عاشقوں کا، لاکھوں ہزار ہونا

Gul Hayat Institute

مجھ کو بتا تو قاضیا کیسا تمہارا کام ہے
تجھ کو کتابوں کی خوشی میرے لئے ماتام ہے

عاشق جلا دے آگ میں سارے کتابوں کے ورق
اک نام میرا یاد کر، یہ دوست کا پیغام ہے

مجھ کو تو مارا ہجر نے کہتا ہے تو آ پڑھ کتاب
گھر میرے اس محبوب کی آمد کا آج انجام ہے

کیوں سہو کا سجدہ کرے وہ عشق ہے جس کا امام
دم بھر بھلانا دوست کو، نے عاشقوں کا کام ہے

کیا نیک نامی ہے تری اس عشق میں اے بے خبر
تیری جماعت میں ترا برہا بہت بدنام ہے

آخر یہ مطلب پا لیا مرشد نے یہ ہم سے کہا
بن عشق دلبر کے سجل کیا کفر کیا اِسلام ہے

Gul Hayat Institute

حیران ہوا، حیران ہوا، اس حسن پہ میں حیران ہوا
دل کس پہ مرا نادان ہوا، نادان ہوا، نادان ہوا

ترے جلوۂ حسن سے ہر عاشق فرقت میں جلا کرتا ہے صنم
اس زہد و ریاکاری سے مرا یکبارگی دل نادان ہوا

یہ غمزہ و ناز کی فوج کشی، اے دلبر تیری خاص ادا
کیا دل پہ میرے جادو ہے کیا، کیا تن من سب مستان ہوا

یہ زلف پڑی کیوں میرے گلے، یہ پیچاں پیچ اور مارِ سیہ
رُخ مجھ سے چھپایا کیوں تو نے جب تجھ پہ یہ دل نادان ہوا

منصور ہو یا سرمد ہو صنم یا شمس الحق تبریزی ہو
اس تیری گلی میں اے دلبر، ہر ایک کا سر قربان ہوا

ہاں عشق کا تیرے ہے دعویٰ، مسکین پیچل کو میرے صنم
کیا خوب تری اس اُلفت میں، مسکین سے میں سلطان ہوا

Gul Hayat Institute

تو اپنی قدر کو پہچان، سپہ سالار تو ہوگا
توئی اندر، توئی باہر، ہمہ اظہار تو ہوگا

اگر تو قدرِ نعمت سے رہا غافل، تو رہنے دے
مگر جب خود کو پہچانا، سدا سردار تو ہوگا

اگر منصور بن کر دہر میں مطلب کیا حاصل
انا الحق کہنے سے بے شک ہمہ دیدار تو ہوگا

جو ہے حلاج سُولی پر، ہوا فارغ وہ ہستی سے
نڈر بن کر 'انا احمد' کیا اظہار تو ہوگا

کہاں کا تھا وہ اسکندر، ہوا دنیا پہ جو قابض
جو جیتا ملکِ دل تونے، سکندر وار تو ہوگا

سچل کی ذات ہے معلوم، جو سمجھا، وہی ہے تو
نہیں کوئی دوسرا دلبر، وہی دلدار تو ہوگا

Gul Hayat Institute

انا الحق جب کہوں گا میں سرِ میدان آؤں گا
گلی اب چھوڑ دلبر کی طرف دیگر نہ جاؤں گا

مقرّر ہوں میسّر ہوں، قدم باہر نہیں رکھتا
ملامت بار ہے بھاری جواب سر پر اٹھاؤں گا

بتایا مجھ کو مُرشد نے نہیں تم غیرِ حق ہرگز
'ولاموجود الاھو' یہ نقارہ بجاؤں گا

مجھے جب حکم ہوتا ہے، بجا نوبت انا الحق کی
اسی عالم میں بر ہے کا تماشا اب دکھاؤں گا

ھوالظاہر ھوالباطن وہ حق موجود دو جگ میں
کہا سولی پہ جو منصور نے میں وہ کہاؤں گا

سچل تو سرّ معنیٰ ہے جو کچھ دیکھا وہی پایا
دل و جاں عشق کی اس آگ میں یارو جلاؤں گا

Gul Hayat Institute

دل ہوا ویران، دلبر آج سیلانی ہوا
سن رے زاہد! مرے دل پر داغِ صنعانی ہوا

کچھ نہیں تسکین دل کو، ہجر کی ہیہات سے
کیوں نہ دیوانہ بنوں جب دور وہ جانی ہوا

ہے غنیمت مجھ کو یاد و دوستی دلدار کی
کیوں نہ بیگانہ رہوں، جب یہ جہاں فانی ہوا

ہم نے دم بھر جلوہ دیکھا، دے دیا اس نے فراق
یہ وصالِ یار گویا، ابرِ آسمانی ہوا

میں گداگر پھر رہا ہوں، بہرِ جاناں دربدر
کیا خبر کس کس گلی میں، سیرِ سلطانی ہوا

شیوۂ مرداں ہے مرنا یاد میں اس دوست کی
سر سجل کا اس گلی میں کارِ قربانی ہوا

Gul Hayat Institute

سنورے آج سر میرے برہ باراں آیا ہے
کرم کر کے صدف پر قطرہ نیساں آیا ہے

زلیخا کی تمنا اور طلب کو دیکھ کر بکنے
گلی میں مصر کی وہ دوست از کنعاں آیا ہے

برائے خواہشِ الفت ہوا اغیار وہ بے چوں
اسی دنیا میں وہ دلدار بن انساں آیا ہے

گلابی رنگ کا چیرا ہے سر پر، زلف شانوں پر
برائے قتلِ معشوقاں وہ مع طولاں آیا ہے

تجلی دیکھ کر موسیٰؑ ہوا مدہوش مستی میں
پلٹ کر پھر شعاعِ شمع پر پروان آیا ہے

سنبھل کر گوئے سر میداں پہ سر بھی دے سریجن کو
کہ شاہِ حسن حملوں سے سرِ چوگان آیا ہے

Gul Hayat Institute

ملنے کو تیرے دلبر، میں منتظر ہوا ہوں
بے زر غلام تیرا، میں سر بسر ہوا ہوں

پھر دیکھ میری جانب، تجھ بن پھروں اداسی
تیرے لئے گداگر، میں در بدر ہوا ہوں

فرقت میں تیری رونا، دن رین مجھ کو حاصل
"حبل الورید" سے بھی، میں بے خبر ہوا ہوں

اُمید لطف کی ہے تجھ سے ہی عاشقوں کو
لاتقنطوا من رحم، میں بے خطر ہوا ہوں

سمجھا تھا دور میں نے، لیکن نہ دور ہو تم
تیرے کرم سے جاناں، میں در نظر ہوا ہوں

فریاد سُن سریجن، بہر خدا سچل کی
آ دیکھ حال میرا، میں پُر شر رہوا ہوں

Gul Hayat Institute

کس کو میں یہ سناؤں، وہ یار ہے خیالی
پوچھے نہ حال میرا کیوں دوست لاأبالی

آنکھوں میں اس کی کاجل، ہاتھوں پہ اس کے لالی
پیتا ہے خوب بھر بھر وہ جامِ پُر تگالی

دیکھو اے دوستو تم، کیا خوب دلربا نے
اس دل کو لوٹنے کی ترکیب ہے نکالی

کر کے وہ ناز و عشوہ، عشاق میں ہے آیا
مدہوش ہو رہا ہوں، دیکھو یہ چُست چالی

بےچارہ اک نہیں میں آشفتہ اس صنم کا
حیراں ہوئے ہیں لاکھوں، کیا حسن لایزالی

بہرِ کرم تم آؤ، میری گلی اے دلبر
دن رین تیرے در پر، ہے سگ سچل سوالی

Gul Hayat Institute

یار مرا ہر صورت رنگا رنگی آپ دکھائے گا
ملّا ہو یا قاضی ہو یا پھوسے تلک لگائے گا

حافظ بن کر حفظ کرے گا، پوتھی بھی وہ پڑھائے گا
جوگی بن کر، جوگ کما کر، گنگا پر بھی جائے گا

ہاٹ پہ آکے بیٹھے گا اور پھر سے بانگ سنائے گا
تُوں تُوں دے وچ لالی لاکے، پیالہ عشق پلائے گا

شاہی نام جو آپ پہ دھر کر سارا دیس دبائے گا
مفتی بن کر، فتویٰ دے کر، سولی پر لٹکائے گا

کب کب پائے برہنہ بن کر، کو نتل پھیر کدائے گا
ساگا جوڑ سناسی پھرتا، سامی نام سنائے گا

سچل کیوں نہ پچھانی صورت، سارا ایک سمائے گا
نوعا نوع پوشاکاں کر کے، دلبر اس جگ آئے گا

Gul Hayat Institute

مری آنکھوں نے اے دلبر، عجب اسرار دیکھا تھا
میانِ ابر، اُس خورشید کا ، انوار دیکھا تھا

جلایا طورِ سینا کو تھا جس نورِ تجلّی نے
ترے کوچے میں اس انوار کو اظہار دیکھا تھا

مرا تو کام تھا اس ہادی و رہبر کی صورت سے
اسی صورت کا میں نے ہر جگہ اظہار دیکھا تھا

کہا اس بار اسی نے بالیقیں کلمہ اناالحق کا
راہِ اسرار میں منصور کو بر دار دیکھا تھا

جو آیا تھا وہاں سے ایک بار اس بزمِ رنداں میں
نہ اس مدہوش کو ہم نے کبھی ہشیار دیکھا تھا

کنارا تھا نہ جس کا، تو سبحل اس بحر میں آیا
نگوں سار اس میں ہر اک طالبِ دیدار دیکھا تھا

Gul Hayat Institute

برہا ہے سب مشکل بازی، کون رے ہاتھ لگائے گا
جس نے ہاتھ لگایا اس کو، سارا ہوش گنوائے گا

نام و نشان سے بن کے یگانہ، دلبر اس جگ آئے گا
عشق کی اس کے ہے یہ نشانی، دین اور کفر اُڑائے گا

برہا ہے جس کا ہاتھ ہے پکڑا اس کا سر کٹوائے گا
عشق کا ہے یہ عشوہ، یارو، سُولی پہ چڑھوائے گا

دیکھنا ہے اب بعد میں اس کے کیا رنگ بنائے گا
اسپِ محبت دل کے اس میدان پہ وہ دوڑائے گا

سچل سوزِ فراق صنم کا نِت نِت رنگ دکھائے گا
غم کی فوجیں کریں گی حملہ، مجھ کو برہا بچائے گا

Gul Hayat Institute

بلبل کو برہا پہنچا، آئی ہے رُت بہاراں
فریادِ وصل اس کی ہے مثلِ بے قراراں

میں نے یہ اس سے پوچھا، عاشق ہے تو گلوں کا
یہ وصل ہے یا فرقت روتا ہے زار زاراں

منقاد ہے گلوں پر، پھر بھی ہیں لاکھ نالے
یہ کیا سبب ہے آخر حاصل ہیں گل ہزاراں

بلبل نے یہ بتایا اے عشق سے بے بہرہ
اس باغ میں نہیں ہے مرے لئے نگاراں

آئی نہ راس میری فریاد میرے گل کو
اس واسطے سچل میں چھوڑوں نہیں پکاراں

Gul Hayat Institute

کرتا ہوں اے سجن اس باب شکر للہ
اس برہا نے کیا ہے بے تاب شکر للہ

تیرے جو نین دیکھے حیرت میں پڑ گیا ہوں
تو نے کیا ہے مجھ کو بے خواب شکر للہ

کیا ورد، کیا وظائف، کیا قول کیا یہ پارے
بھولا ہوا ہوں شدّ و اعراب شکر للہ

وحدت کا اڑ کے آیا شہباز میرے دل پر
اب مٹ چکے ہیں سارے آداب شکر للہ

ظاہر ہو یا ہو باطن اندر ہو یا ہو باہر
سب کل سپرد تیرے ہر باب شکر للہ

Gul Hayat Institute

ترے ہی ناز سے آنکھوں کے میں غلام ہوا
ترا ہی عشق مرا پیشوا امام ہوا

کروں میں کس کو بھلا اپنے حال سے آگاہ
ترے ہی درد سے قصہ مرا تمام ہوا

ترے غرور کا چرچا ہوا زمانے میں
سبھی نے گوش میں دیں انگلیاں یہ کام ہوا

کیا ہے دل پہ ترے عشق نے قیام اپنا
مرا فرائض و سنت کو اب سلام ہوا

کروں میں شکرِ خدا اور پڑھا کروں الحمد
سحرؔ، یہ عشق کا تحفہ ترے ہی نام ہوا

Gul Hayat Institute

قاضی تم سے کیا میں کہوں وہ یار ہے موجِ دار ہوا
یار ہے موجِ دار ہوا، اِک بحر ہوا زخار ہوا

دیکھ الف کی گدڑی میں تو اور دل کو دیوانہ ہوا
جس کو اپنے دل کی سوجھی وہ نہ کبھی ہوشیار ہوا

سُرخی لال لبوں پر اس کے، رُخ بھی ہے محرابہ نما
جس نے دیکھا مست ہوا، مدہوش ہوا، مے خوار ہوا

اس خاکی رنگ کی گدڑی میں اور کوئی اسرار ہوا
خود کو چھپایا جُثہ میں اور خود سے خود بیزار ہوا

آیا اس چوگان میں سچل نام لیا اس دلبر کا
سُولی پر وہ سوار ہوا اور مستی میں سرشار ہوا

Gul Hayat Institute

الفت کا شہباز صنم نے میری طرف اڑایا ہے
علم و عقل اور شرم و حیا کو طعمہ کر کے کھایا ہے

مُرغِ ادب کی تاب ہے اس کی، لیکن آپ چھپایا ہے
اس کا ہے ماں باپ نہ کوئی وہ نہ کسی کا جایا ہے

عرش اور کرسی پر وہ پریشاں، دھرتی پر چل آیا ہے
دردمندوں کے دل پر اس شہباز نے گھر بنوایا ہے

جان سے وہ بے جان ہے اس کے دام میں جو بھی آیا ہے
دو جگ اس کے پر میں چھپے ہیں سیحل پہ بھی چھایا ہے

Gul Hayat Institute

کاگا نے یہ خبر سنائی یار مرے گھر آئے گا
آئے گا وَل جائے گا، پھر تجھ کو برہا کھائے گا

یار مرا غیور ازل سے، عاشق کو ازمائے گا
پہلے اپنا مکھ دِکھلا کر، پھر سے ہجر اُٹھائے گا

دم دم دوست دلاسہ دے کر غم کا جام پلائے گا
کس دن آپ دکھائے گا پھر کس دن آپ چھپائے گا

سچلؔ تجھ کو دلبر اپنا خود دیدار دکھائے گا
جب تب اوّل آخر ساجن پاؤں ترے ڈِھپائے گا

Gul Hayat Institute

مجھ کو فنا کرے گی جاناں تری جدائی
فرقت میں تیری دردر کرتا ہوں میں گدائی

ترے فراق سے میں دیوانہ بن چکا ہوں
مجھ کو ہوئی ہے حاصل اُلفت میں جگ ہنسائی

دو چار دن کا میلہ دو چار دن فراق
سیکھی کہاں سے تُو نے یہ رسمِ آشنائی

واپس دے دل یہ کل کا کوچے میں جو پڑا ہے
سینے پہ اس کے نوبت اُلفت نے ہے بجائی

Gul Hayat Institute

Sachal Sarmast:

one of the leading mystics, is known as Haft Zuban Shair being master of seven languages. He wrote in Sindhi, Saraiki, Persian and Urdu languages.

Sachal Sarmast was born in Sindh but enjoys a large following all over Pakistan. Although he is considered a difficult poet but his general message is for the masses. He sympathises with the hardship of the common man.

Urdu versified translation of his works is being published by the Lok Virsa under its series on mystic poets.

Gul Hayat Institute

زیر اہتمام
مشترکہ اشاعتی پروگرام

Cover Design: Athar Rasul

لوک ورثہ
LOK VIRSA
Garden Avenue, Shakarparian,
Islamabad, Pakistan.

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

Rs:750.00